29

ہفت روزہ

ندائے خلافت

لاہور

www.tanzeem.org

10 تا 16 صفر المظفر 1447ھ / 5 تا 11 اگست 2025ء

اشاعت خصوصی

مسلسل اشاعت کا
34 واں سال

تنظیم اسلامی کا پیغام
خلافت راشدہ کا نظام

اتحادِ اُمّت
اور
پاکستان کی سالمیت

الھدیٰ

اسلامی اخوت اور اتحاد

﴿وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيْعًا وَّلَا تَفَرَّقُوْا ص﴾ (آل عمران) ”اللہ کی رسّی کو مضبوطی سے تھام لو مل جل کر اور تفرقے میں نہ پڑو۔“

وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ کہ اللہ کی رسّی سے چمٹ جاؤ، اللہ کی رسی کو مضبوطی سے تھام لو۔ اور یہ اللہ کی رسّی کون سی ہے؟ متعدد احادیث سے واضح ہوتا ہے کہ یہ ”قرآن“ ہے۔ یعنی اللہ کے قرب کے لیے ضروری ہے کہ ایک طرف انسان میں تقویٰ پیدا ہو اور دوسری طرف قرآن کے نظریات اور قرآن کی حکمت کا فہم۔ چنانچہ مختلف انسانوں کی اجتماعیت تبھی ممکن ہے جب ان کی سوچ ایک ہو، ان کے نظریات اور مقاصد ایک ہوں۔

(ماخوذ از بیان القرآن، بانی تنظیم اسلامی، ڈاکٹر اسرار احمدؒ)

”جماعت مسلمہ کے قیام کی بنیاد اخوت ہے۔ اللہ کے لیے، اسلامی نظام کے قیام کے لیے اور اللہ تعالیٰ کے بتائے منہاج زندگی کے دائرے میں رہتے ہوئے اخوت اور برادری کا رشتہ اور تعلق۔ یہ اخوت اور بھائی چارہ اللہ تعالیٰ کی بہت بڑی نعمت ہے۔ جو اللہ نے مسلمانوں کو عطا فرمائی۔ اہل عرب دورِ جاہلیت میں ایک دوسرے کے دشمن تھے۔ جب اسلام آیا تو اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں میں الفت، مودت و اخوت پیدا فرما دی اور مسلمان اللہ کے جھنڈے تلے متحد ہو گئے۔ یہودی دورِ نبویؐ میں مسلمانوں کی صفوں میں انتشار پیدا کرنے کے لیے مختلف ذرائع اور وسائل استعمال کرتے تھے اور قومِ یہود اور اس کے حواری آج بھی مسلمانوں کے اتحاد کو پارہ پارہ کرنے کے لیے اپنے تمام تر وسائل و ذرائع کام میں لا رہے ہیں۔ مسلمانوں کو چاہیے کہ ان کی سازشوں سے باخبر رہیں اور اخوت کی زنجیروں میں جکڑ کر اللہ کی بتائی ہوئی صراطِ مستقیم پر چلنے کی کوششوں میں لگے رہیں۔ کیونکہ اسلام کی سربلندی کے لیے ایمان باللہ اور اخوت فی اللہ ناگزیر ہے۔“ (سید قطب شہیدؒ)

درس حدیث

مسلمانوں کا اتحاد

عَنِ النُّعْمَانِ بْنِ بَشِيْرٍ رضی اللہ عنہ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم ((تَرَى الْمُؤْمِنِيْنَ فِيْ تَرَاحُمِهِمْ وَتَوَادِّهِمْ وَتَعَاطُفِهِمْ كَمَثَلِ الْجَسَدِ إِذَا اشْتَكٰى عُضْوٌ تَدَاعٰى لَهٗ سَائِرُ الْجَسَدِ بِالسَّهَرِ وَالْحُمّٰى)) (رواہ البخاری و مسلم)

”حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ”تم مسلمانوں کو ان کی باہمی رحم دلی، محبت اور عنایت میں ایک جسم کی مانند پاؤ گے۔ جب جسم کا ایک عضو مبتلائے درد ہوتا ہے تو تمام جسم بیداری و بخار میں مبتلا نظر آتا ہے۔“

تشریح: آج مسلمان دنیا بھر میں ذلت و خواری کا شکار ہیں، ان کی نفری اور تعداد بھی خاصی ہے، مال و دولت کی بھی کمی نہیں ہے، عرب ریاستیں سونا اگلتی ہیں، ہر طرف روپے پیسے کی ریل پیل ہے، عسکری لحاظ سے بھی کسی سے کم نہیں پھر کیا وجہ ہے کہ ان کی تمام تر شان و شوکت رخصت ہو چکی ہے اور ان پر ذلت و ادبار کی گھٹا چھا رہی ہے۔ ان کے نظام حکومت پر شاطر و عیار حکمران چھائے ہوئے ہیں جو ظاہری طور پر تو مسلمان ہیں مگر ان کے دل یہود و نصاریٰ کے ساتھ دھڑکتے دکھائی دیتے ہیں۔ اُن کے منافقانہ طرزِ عمل نے عوام الناس کا جینا دشوار کر دیا ہے۔ یہ لوگ نت نئے ٹیکس لگا کر عوام کو نچوڑ رہے ہیں اور اپنی کرسی بچانے کے لیے خزانہ عامرہ کا بے دریغ استعمال کرتے ہیں۔ اس تباہی میں انہیں کوئی پوچھنے والا نہیں ہے۔ اس لیے کہ عدلیہ کو بھی وہ اپنے ماتحت رکھتے ہیں اور ذرائع ابلاغ کو بھی اپنی خواہشات کے مطابق استعمال کرتے ہیں۔ ایسے حکمران عوام پر اسی وقت مسلط ہوتے ہیں، جب دین دار آپس میں کٹے پھٹے ہوں، اپنے وطن پر ہی نظر ڈالیے، یہاں دین کا احساس رکھنے والے لوگوں میں کوئی قوت اور طاقت نہیں، وہ مختلف گروہوں اور دھڑے بندیوں کا شکار ہیں۔ رب کریم نے تو اپنی کتاب مبین میں ہمیں نصیحت فرمائی ہے: ”اللہ کی رسی کو مضبوطی سے تھام لو مل جل کر اور تفرقے میں نہ پڑو“ (آل عمران) اور پیارے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے کتنے خوبصورت انداز میں مسلمانوں کو ایک جسم کی مانند قرار دیا ہے کہ اگر اس کا ایک حصہ تکلیف میں ہو تو پورا جسم بے قرار ہو جاتا ہے اور کہیں ارشاد ہوا کہ مومن، مومن کے لیے مثل عمارت کے ہے کہ ایک اینٹ دوسری اینٹ کو مضبوط کرتی ہے۔

ہفت روزہ
لاہور
ندائے خلافت
تا خلافت کی بنا دُنیا میں ہو پھر استوار
لا کہیں سے ڈھونڈ کر اسلاف کا قلب و جگر
تنظیم اسلامی کا ترجمان نظامِ خلافت کا نقیب
بانی: اقتدار احمد مرحوم
10 تا 16 صفر المظفر 1447ھ جلد 34
5 تا 11 اگست 2025ء شمارہ 29
مدیر مسئول: حافظ عاکف سعید
مدیر: رضاء الحق
مجلس ادارت: * فرید اللہ مروت * محمد رفیق چودھری * وسیم احمد باجوہ * خالد نجیب خان
نگران طباعت: شیخ رحیم الدین
پبلشر: محمد سعید اسعد طابع: رشید احمد چودھری
مطبع: مکتبہ جدید پریس ریلوے روڈ لاہور
مرکزی دفتر تنظیم اسلامی
"دارالاسلام" ملتان روڈ چونگ لاہور۔ پوسٹل کوڈ 53800
فون: 78-35473375 (042)
E-Mail:markaz@tanzeem.org
مقام اشاعت: 36-کے ماڈل ٹاؤن لاہور 54700
فون: 03-35869501 فیکس: 35834000
nk@tanzeem.org
قیمت شمارہ خصوصی 30 روپے
سالانہ زرِ تعاون
اندرونِ ملک ...... 800 روپے
بیرونِ پاکستان
امریکہ، کینیڈا، آسٹریلیا وغیرہ (21,000 روپے)
انڈیا، یورپ، ایشیا، افریقہ وغیرہ (16000 روپے)
ڈرافٹ، منی آرڈر یا پے آرڈر
"مکتبہ مرکزی انجمن خدام القرآن" کے عنوان سے ارسال کریں۔ چیک قبول نہیں کیے جاتے
Email:maktaba@tanzeem.org

"ادارہ" کا مضمون نگار حضرات کی تمام آراء سے پورے طور پر متفق ہونا ضروری نہیں

اداریہ
رضاء الحق

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اُمت کا اتحاد اور پاکستان کی سلامتی ......(1)

اے بے حمیتی کہیے، بے حسی کہیے، دوسروں پر ہونے والے ظلم سے لاتعلقی کہیے، نفسانفسی کہیے، لاعلمی کہیے، اُمت میں اتحاد کے فقدان کا نام دیجیے یا کچھ اور...... غزہ میں گزشتہ 22 ماہ سے ناجائز صیہونی ریاست اسرائیل کی مسلسل وحشیانہ بمباری، تقریباً 6 ماہ سے غزہ کے مسلمانوں کی نسل کشی کے لیے بھوک و افلاس کو باقاعدہ ہتھیار کے طور پر استعمال کیے جانے پر مسلم دنیا کے عمومی ردِعمل نے روزِ روشن کی طرح عیاں کر دیا ہے کہ 57 مسلم ممالک کے حکمران و مقتدر طبقات بالخصوص، اور دنیا میں بسنے والے کم و بیش 2 ارب مسلم عوام بالعموم بانجھ ہوتے جا رہے ہیں۔ الا ماشاء اللہ۔ اگرچہ بانجھ پن کے اشارے تو غالباً دو صدیاں پہلے ہی ظاہر ہونے لگے تھے، جب برطانیہ نے نوآبادیاتی نظام (کلونیل ازم) کے تحت ایک کاروباری کمپنی بھیج کر برصغیر پاک و ہند کو عملی طور پر فتح کر لیا تھا جس میں مقامی لوگوں نے انگریز کی غلامی قبول کر کے شرمناک کردار ادا کیا۔

19 ویں صدی کے وسط سے سلطنتِ عثمانیہ بھی تیزی سے تنزلی کا شکار ہو رہی تھی۔ 1830ء کی دہائی میں سلطنتِ عثمانیہ نے ایک قانون اپنایا کہ آئندہ عائلی معاملات میں اگر چاہیں تو شریعت کے مطابق فیصلہ لے لیں اور چاہیں تو رواج کے مطابق۔ یہ وہی دور تھا جب سلطنتِ عثمانیہ یورپ کے یہودی سودی بینکاروں کے شکنجہ میں بری طرح جکڑی گئی تھی اور ان پر بے تحاشا قرض مع سود واجب الادا ہو چکا تھا۔ اس سے تقریباً دو ڈھائی صدیاں قبل حالات اتنے مختلف تھے کہ ملکہ برطانیہ جنگ میں جانے سے قبل خلافتِ عثمانیہ سے درخواست کرتی تھی کہ اس کی غیر موجودگی میں برطانیہ کی جغرافیائی سرحدوں کی حفاظت فرما دیں۔ لیکن خلافتِ عثمانیہ پر جدید یورپ کا جادو سر چڑھ کر بولا۔ خلیفہ وقت کے 'حرم' میں فرانس، یونان، پرتگال، اسپین اور نہ جانے کہاں کہاں سے لونڈیاں موجود رہتیں۔ اس سے آگے بڑھ کر انہی ممالک کی خواتین کے ساتھ عثمانی حکمرانوں نے شادیاں بھی کر لیں۔ گویا سانپوں اور بچھوؤں کو گھر میں داخل ہونے کے لیے خود ہی اپنا در وا کر دیا۔ خلافتِ عثمانیہ، جس کی ایک دور میں پوری دنیا پر دھاک بیٹھی ہوئی تھی، اب "یورپ کا مردِ بیمار" کہلانے لگا۔ اسی دوران یہود نے ایسی چالیں چلیں کہ سارا یورپ ان کا محتاج اور مقروض ہو کر رہ گیا۔ یورپ کے مرکزی بینکوں پر یہود قابض تھے اور یورپ کے بادشاہ ان سے سودی قرض لے کر جنگیں لڑتے۔ پھر یہ کہ سٹاک مارکیٹوں پر بھی یہود کا قبضہ تھا۔ یورپ میں پہلا پرنٹنگ پریس 1450ء میں ایک سنار یوہانس گوٹن برگ نے ایجاد کیا۔ پھر کیا تھا، یہود اور یہود نواز افراد کے نظریات و افکار، فلسفہ اور نظام ہائے معیشت و سیاست پر روایت سے ہٹ کر جدید نظریات و فلسفہ پر مبنی کتب بڑے پیمانے پر لکھ کر شائع کی گئیں۔ بعض تاریخ دانوں کا کہنا ہے کہ مادہ پرستی، ہیومن ازم، لبرل ازم، سیکولر ازم اور ان کے مابین یورپ میں نام نہاد احیائے علوم اور اصلاحِ معاشرہ کی تحریکوں کی کامیابی میں بڑے پیمانے پر کتب شائع کیے جانے (یعنی پرنٹنگ پریس) نے فیصلہ کن کردار ادا کیا۔

یورپ میں بادشاہ اور پوپ کے گٹھ جوڑ سے صدیوں سے قائم طرزِ حکومت کو انقلاب فرانس نے نسیاً منسیاً کر دیا۔ پروٹسٹنٹ عیسائیت کی داغ بیل تو 14 ویں صدی میں ہی ڈال دی گئی تھی۔ ایک طرف رومیوں کی حکومت کے مظالم تھے تو دوسری طرف پروٹسٹنٹ عیسائیت (جو خود یہود کی سازش کے تحت معرضِ وجود میں آئی) نے خاص طور پر برطانیہ میں جڑ پکڑ لی۔ یہود نے سودی بینکاری کی اجازت حاصل کر لی اور بڑے

سرمایہ داروں، جن میں اکثر یہودی تھے، انہوں نے پرنٹنگ پریس کی ایجاد کے بعد دھڑا دھڑ ”پرومزری نوٹ“ (Promissery Note) چھاپنا اور جاری کرنا شروع کر دیئے۔ یوں سودی بینکاری کا وہ سلسلہ شروع ہوا جو آج تک تیسری دنیا کے ممالک کے گلے کا پھندا بنا ہوا ہے۔

اس کے کچھ ہی عرصہ بعد پہلے فرانس اور برطانیہ، پھر جرمنی میں صنعتی انقلاب برپا ہوا اور یورپ نے مادی ترقی کے اعتبار سے سلطنتِ عثمانیہ تو گویا پوری دنیا کو کوسوں پیچھے چھوڑ دیا۔ بڑے بڑے بحری جہاز اور اسلحہ تیار کیا گیا۔ اسی دوران انقلابِ فرانس سے تقریباً 13 برس قبل سات سمندر پار امریکیوں نے قابض برطانیہ کو شکست دے دی اور 4 جولائی 1776ء کو ریاست ہائے متحدہ امریکہ کا قیام عمل میں آیا، جو ابتدائی طور پر 13 ریاستوں پر مشتمل تھا۔ تاریخ کے طالب علم کے طور پر بحر اوقیانوس کے اُس پار امریکہ میں برطانیہ کی شکست کی داستان انتہائی تحیر آمیز ہے۔ اس پر پھر کبھی تفصیلی کلام ہوگا۔ ان شاء اللہ!

تاریخ گواہ ہے کہ امریکی جرنیلوں میں سے ایک کثیر تعداد مثلاً جارج واشنگٹن، بینجمن فرینکلن، جیمز اوٹس، جیمز میڈیسن وغیرہ فری میسن تھے۔ فری میسنز اور الومینٹی جیسے خفیہ گروہوں نے یہود کو سیاسی و معاشی تقویت دینے میں بڑا کردار ادا کیا۔ یہاں تک کہ 19ویں صدی کے اختتام پر یہ فیصلہ کر لیا گیا کہ اب خلافتِ عثمانیہ کا خاتمہ کر کے اس کی جگہ چھوٹی چھوٹی مسلم قومی ریاستیں قائم کر دی جائیں۔ حقیقت یہ ہے کہ اپنی انتہائی دگرگوں حالت کے باوجود بھی جب تک خلافت کا ادارہ قائم رہا، نہ تو یورپ کو قرآن اور صاحبِ قرآن ﷺ کی توہین کی جرأت ہو سکی اور نہ یہود کو ارضِ فلسطین میں آباد ہونے کی اجازت مل سکی، اگرچہ روتھشیلڈ خاندان نے اس کی کوشش بہت کی۔

1903ء میں بابائے صیہونیت تھیوڈور ہرتزل نے (Altneuland) نام کی ایک کتاب تحریر کی جس میں موصوف نے گریٹر اسرائیل کے خدوخال پیش کر دیئے۔ اس سے قبل 1897ء میں عالمی صیہونی کانگرس کا قیام عمل میں آ چکا تھا اور اس کا پہلا اجلاس اسی سال تھیوڈور ہرتزل کے زیر صدارت سوئٹزرلینڈ (Switzerland) کے شہر بازل (Basel) میں منعقد کیا گیا تھا۔ اسی اجلاس کی کارروائی پر مبنی دستاویز ”صیہونی پروٹوکولز“ (Protocols of the Learned Elders of Zion) کے نام سے معروف ہوئی۔ اس دستاویز کو ارضِ فلسطین میں دجالی صیہونی ریاست کو قائم کرنے اور دنیا پر یہود کی اجارہ داری کو مسلط کرنے کا روڈ میپ یا بلیو پرنٹ بھی کہا جا سکتا ہے۔ یہ وہی دستاویز ہے جسے نامور امریکی صنعت کار ہنری فورڈ اور برطانوی سیاست دان کیپٹن آرچیبالڈ رمزے نے جب دنیا میں جاری واقعات کے ساتھ جوڑ کر دیکھا تو انہیں چونکا دینے کی حد تک زمینی حقائق سے مشابہ پایا۔ ہنری فورڈ نے 1921ء میں ایک مشہور انٹرویو میں کہا تھا: ”میں صرف یہی کہوں گا کہ یہ پروٹوکولز جو کچھ پیش کرتے ہیں وہ حالاتِ حاضرہ سے مطابقت رکھتے ہیں...... یہ آج تک دنیا کے حالات پر پورا اترے ہیں اور اب بھی فٹ بیٹھتے ہیں۔“ بعد کے بعض تجزیہ نگاروں نے بھی اس غیر معمولی مماثلت کو نوٹ کیا کہ ان پروٹوکولز میں بیان کردہ ”پیشگوئیاں“ اور ”تاریخی و زمینی حقائق“ کے مابین مشابہت اس قدر تھی کہ معلوم ہوتا تھا کہ انہی پروٹوکولز پر عمل درآمد جاری ہے۔

1914ء میں شروع ہونے والی پہلی جنگِ عظیم میں اتحادیوں کو فتح حاصل ہوئی اور سلطنتِ عثمانیہ جس نے جنگ میں جرمنی کا ساتھ دیا تھا، اسے شکست ہوگئی۔ 3 مارچ 1924ء کو خلافتِ عثمانیہ کے خاتمے کا باقاعدہ اعلان کر دیا گیا۔ سچ تو یہ ہے کہ غیروں سے زیادہ اپنوں کی سازشوں نے خلافت کے ادارے کو منہدم کرنے میں کردار ادا کیا۔ طاغوتی قوتوں کے بعض ایسے مسلم 'غلام' بھی شامل تھے جنہیں غداری کے صلے میں بعد ازاں مشرقِ وسطیٰ میں نئی صف بندی کے نتیجے میں بننے والی قومی ریاستیں تحفتاً عطا کر دی گئیں۔ دوسری طرف ترکی (جو اب ترکیہ کہلاتا ہے) میں مصطفیٰ کمال پاشا (اتاترک) کی خدمات کے عوض یورپ کی طاقتوں نے ترکیہ کی حکومت اس کے حوالے کر دی۔ ترکیہ میں سیکولر حکومت کے قیام اور خلافتِ عثمانیہ کے انہدام کے بعد ارضِ فلسطین پر برطانیہ نے قبضہ جما لیا اور 1917ء کے بالفور اعلامیہ کے مطابق یہودیوں کو فلسطین میں آباد کرنے کا سلسلہ شروع ہوا۔ کچھ زمینیں تو سیدھے سادے فلسطینی مسلمانوں سے خریدی گئیں مگر ارضِ مقدس کے بیشتر علاقوں میں صیہونی دہشت گرد تنظیموں نے زبردستی فلسطینی مسلمانوں کی املاک اور زمینوں پر قبضہ جما کر انہیں دربدر کر دیا۔

دوسری جنگِ عظیم، جو درحقیقت پہلی جنگِ عظیم کا ہی ایک ضمیمہ تھا، میں ناجائز صیہونی ریاست اسرائیل کو قائم کرنے کی حتمی تیاری کی گئی اور صیہونیوں کے دنیا بھر میں رائج کردہ سرمایہ دارانہ نظام، بحیثیت مغربی جمہوری طرزِ حکومت اور وحی سے مبرا و خود ساختہ اخلاقیات (subjective morality) پر مبنی تہذیب کی بنیادیں مزید مضبوط کی گئیں۔ موخر الذکر نظریات کا نشانہ دنیا بھر میں مسلمانوں کی اشرافیہ اور عوام دونوں تھے، کیونکہ معاشرتی سطح پر اسلامی اقدار، خاندانی نظام اور تہذیبِ اسلامی بڑی حد تک برقرار تھی۔ دوسری جنگِ عظیم کے خاتمہ کے بعد عالمی سطح پر 4 اہم تبدیلیاں واقع ہوئیں۔ اوّلاً یہ کہ فرہنگ کی امامت برطانیہ سے امریکہ منتقل ہوگئی بلکہ کر دی گئی۔ دوسرا یہ کہ امریکہ اور سوویت یونین، جو دونوں بڑی جنگوں میں اتحادی فوج کا حصہ تھے، اُن کی اجتماعی نظامِ معیشت کے حوالے سے سرد جنگ کا آغاز ہوا، جو سوویت یونین کی شکست و ریخت پر 1991ء میں اختتام پذیر ہوئی۔ امریکہ (سرمایہ دارانہ نظام) کو سوویت یونین (اشتراکیت) کے خلاف فیصلہ کن فتح حاصل ہوئی جس کے نتیجہ میں وہ دنیا کی واحد سپریم طاقت بن گیا۔ اس کے بعد امریکہ اور اُس کے اتحادیوں (بشمول نیٹو) نے اپنی ساری توجہ مسلم ممالک کے خلاف نظریاتی اور عسکری جنگیں مسلط کرنے پر مرکوز کر دی۔ تیسرے یہ کہ 14 مئی 1948ء کو ناجائز صیہونی ریاست اسرائیل قائم کر دی گئی اور اسی سال نکبہ کے دوران لاکھوں فلسطینیوں کا قتلِ عام کیا گیا اور ان کی صدیوں سے موجود آبادیوں، گھروں اور املاک پر صیہونیوں نے زبردستی قبضہ کر لیا۔ ساتھ ہی دنیا بھر سے یہود کو اسرائیل یعنی مقبوضہ فلسطین میں لا کر آباد کرنے کا سلسلہ شروع کر دیا گیا۔ (جاری ہے)

ڈاکٹر اسرار احمدؒ کی 1986ء میں شائع شدہ کتاب "استحکامِ پاکستان" سے اقتباسات

استحکامِ پاکستان کی ٹھوس بنیاد

پاکستان کے استحکام کے لیے حقیقتاً اور واقعتاً ٹھوس بنیاد کون سی ہے۔ جسے مضبوط کرنے سے پاکستان مستحکم ہو جائے اور اپنے وجود اور سالمیت کے خلاف جملہ داخلی اور خارجی حملوں کے مقابلے میں اپنا موثر دفاع کر سکے؟

یہ سوال ظاہر ہے کہ صرف دینی اور مذہبی نقطہ نگاہ ہی سے اہم نہیں ہے، بلکہ خالص مادی اور دنیوی اعتبار سے بھی نہایت اہم ہے۔ اس لیے کہ یہ ہمارا وطن ہے اور نہ صرف یہ کہ اس وقت ہم اس میں آباد ہیں بلکہ ہماری آئندہ نسلوں کا مستقبل بھی اسی سے وابستہ ہے۔ یہ باعزت ہے تو ہم بھی باعزت ہیں اور خدانخواستہ یہ ذلیل ہو جائے تو اصل ذلت ہماری ہوگی، یہ آزاد ہے تو ہم آزاد ہیں، یہ غلام ہو گیا تو اصل غلام ہم ہوں گے، یہ خوشحال ہوگا تو ہم خوشحال ہوں گے اور اس پر تنگی آئی تو اس تنگی کا شکار ہم ہوں گے۔ گویا یہ کشتی تیرتی ہے تو ہم تیرتے ہیں اور یہ ڈوب گئی تو ہم غرق ہو جائیں گے۔ لہٰذا ہر پاکستانی کے لیے لازم ہے کہ وہ پاکستان کے باعزت بقاء اور اس کے استحکام کے مسئلے پر پوری سنجیدگی کے ساتھ سوچ بچار کرے۔

تو آیئے اس بات پر غور کریں کہ بالعموم ملکوں کو کن جہتوں سے تقویت ملتی ہے اور کن عوامل کی بناء پر استحکام حاصل ہوتا ہے اور ان میں سے کون کون سے عوامل ہمیں پاکستان کے استحکام کے لیے دستیاب ہیں جنہیں مزید تقویت دے کر ہم پاکستان کو مستحکم کر سکتے ہیں۔

اوّلین عامل کو "تاریخی عامل" (Historical Factor) کے نام سے موسوم کیا جا سکتا ہے۔ یعنی یہ کہ اگر کوئی ملک عرصہ دراز سے ایک ہی نام اور ایک ہی سے حدود اربعہ کے ساتھ قائم ہو تو اس نام اور ان حدود کو ایک گونہ "تاریخی تقدس" حاصل ہو جاتا ہے اور یہ اس کی تقویت کا موجب اور اس کے استحکام کا سبب بن جاتا ہے، اور اگر کبھی اس پر بحیثیت مجموعی یا اس کے کسی علاقے پر جزوی طور پر کوئی دوسرا ملک قبضہ کر لیتا ہے تب بھی نہ اس کا نام بدلتا ہے نہ دنیا یہ تسلیم کرتی ہے کہ وہ علاقہ اب اس ملک کا حصہ نہیں رہا بلکہ قابض ملک کا جزو بن گیا ہے۔ مثال کے طور پر جب سے دنیا کی تاریخ انسان کے علم میں ہے اسی وقت سے چین نامی ملک بھی دنیا میں موجود ہے، اور اس کا نام بھی ہمیشہ سے یہی چلا آ رہا ہے اور اس کی حدود بھی ہمیشہ تقریباً یہی رہی ہیں۔ یہ اسی کا نتیجہ ہے کہ اگرچہ جاپان نے چین کے بہت بڑے رقبے پر طویل عرصے تک قبضہ کیے رکھا، لیکن یہ نہیں ہوا کہ وہ علاقہ "چین" نہ رہا ہو بلکہ "جاپان" بن گیا ہو۔ بلکہ چین چین ہی رہا اور جاپان جاپان رہا اور کہنے میں یہی آتا رہا کہ چین کے اتنے رقبے پر جاپان قابض ہے۔

یہ تاریخی عامل اور یہ تاریخی تقدس پاکستان کو حاصل نہیں ہے اور اس نام اور ان حدود کے ساتھ تاریخِ انسانی میں کبھی کوئی ملک موجود نہیں رہا۔ بلکہ پاکستان کا تو لفظ آج سے پچاس سال قبل تک دنیا کی کسی لغت میں موجود ہی نہیں تھا۔

پاکستان کی تقویت کے لیے "تاریخی تقدس" کی قسم کا کوئی عامل موجود نہیں ہے۔

کسی ملک کو تقویت دینے والا دوسرا عامل جغرافیائی ہے۔ سب جانتے ہیں کہ اگر کسی ملک کی سرحدیں فطری جغرافیائی حدود (Natural Geographical Boundaries) کی صورت میں ہوں تو اس سے بھی اس ملک کو ایک گونہ حفاظت حاصل ہوتی ہے جو اس کی تقویت کی موجب اور اس کے دفاع میں ممد و معاون ہوتی ہے۔

کلام اقبال کے پہلے اردو مجموعے کی پہلی نظم کے پہلے شعر میں یہ حقیقت بڑی خوبصورتی کے ساتھ سامنے آتی ہے۔ یعنی ؎

اے ہمالہ! اے فصیلِ کشورِ ہندوستان
چومتا ہے تیری پیشانی کو جھک کر آسماں!

چنانچہ یہ واقعہ ہے کہ موجودہ ساری سائنسی اور تکنیکی ترقی کے باوجود کوہ ہمالیہ کی حیثیت بھارت کے شمال میں ایک فصیل کی سی ہے۔ اور اگرچہ تقسیم ہند کے بعد ہمالیہ کے انتہائی مشرقی حصے میں چین اور بھارت کے مابین ایک خونریز جھڑپ ہو چکی ہے، جو نتائج کے اعتبار سے بھارت کے لیے نہایت ذلت آمیز اور رسواکن ثابت ہوئی تھی۔ تاہم اس سے پہلے کی پوری تاریخ ایسے کسی واقعے سے بالکل خالی ہے اور اب بھی بھارت کو اس جانب سے اندیشہ بہت کم ہے۔ اسی طرح 1965ء کی جنگ کے ضمن میں ہمیں خود یہ تجربہ ہو چکا ہے کہ کس طرح بی آر بی کینال بھارت کے بھرپور حملے کے مقابلے میں لاہور کی حفاظت کا ذریعہ بن گئی تھی۔

ملکوں کو مستحکم کرنے والے تیسرے عامل کو "انسانی جذبہ" کے نام سے موسوم کیا جا سکتا ہے اور اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ اگر کسی ملک یا خطہ ارضی کے رہنے والے انسانوں میں کوئی حقیقی اور واقعی جذبہ پیدا ہو جائے تو یہ تاریخ کو بھی شکست دے سکتا ہے اور جغرافیے سے بھی لڑ سکتا ہے، اس لیے کہ انسان واقعتاً اشرف المخلوقات ہے اور قدرت نے اس میں بے پناہ قوتیں اور توانائیاں ودیعت کر رکھی ہیں۔ اور واقعہ یہ ہے کہ جب کسی قوم اور بالخصوص اس کے جوانوں میں کوئی جذبہ حقیقتاً اور واقعتاً پیدا ہو جائے تو اس کا رخ سوائے مشیت ایزدی اور قدرت خداوندی کے دنیا کی کوئی اور طاقت نہیں پھیر سکتی۔ بقول اقبال ؎

"عقابی روح جب بیدار ہوتی ہے جوانوں میں
نظر آتی ہے ان کو اپنی منزل آسمانوں میں!"

اب اگر ذرا وقت نظر سے جائزہ لیا جائے تو انسانی جذبے کی دو ہی قسمیں نظر آئیں گی: ایک قوم پرستانہ جذبہ اور دوسرا مذہبی جذبہ۔ ان میں سے بھی اگرچہ تاریخِ انسانی کے عظیم ترین معجزے تو مذہبی جذبے ہی کے تحت رونما ہوئے ہیں، تاہم کچھ اس بناء پر کہ موجودہ دنیا میں یہ جذبہ بالعموم کمزور ہی نہیں معدوم کے درجے میں آ گیا ہے اور کچھ موجودہ بحث کی منطقی ترتیب کے تقاضے کے طور پر پہلے ہم "قوم پرستانہ جذبہ" کا جائزہ لیتے ہیں کہ آیا اس کی کوئی قسم یا نوع ہمارے پاس بالفعل موجود یا ہمارے لیے ممکن الحصول ہے یا نہیں؟

قوم پرستی کی اقسام کا جائزہ لیا جائے تو سب سے پہلے یہ حیران کن حقیقت سامنے آتی ہے کہ موجودہ دنیا میں تمام تر علمی و سائنسی ترقی اور ذہنی و فکری ترفع کے باوجود نسل پرستانہ قومیت کا جذبہ سب سے زیادہ طاقتور اور موثر ہے۔ عہد حاضر میں اس کی دو نمایاں ترین مثالیں جرمن قوم پرستی اور یہودی نسل پرستی کی صورت میں موجود ہیں۔ جرمن قوم میں اپنے بارے میں ایک اعلیٰ اور برتر نسل ہونے کے احساس نے اتنا جذبۂ عمل اور قوت مقاومت پیدا کر دی ہے کہ ہماری نگاہوں کے سامنے بیسویں صدی عیسوی کے دوران جرمنی دو بار شدید ترین تباہی سے دوچار ہوا، لیکن دونوں مرتبہ چند ہی سال کے اندر اندر پھر نہ

صرف یہ کہ دوبارہ اپنے پاؤں پر کھڑا ہو گیا بلکہ دوسری ہم عصر اقوام اور آس پاس کے ممالک کا ہر اعتبار سے ہمسر ہو گیا بلکہ بعض اعتبارات سے اُن سے بھی بازی لے گیا۔

اسی طرح یہودی قوم میں بنی اسرائیل کے ”خدا کی منتخب اور پسندیدہ قوم“ ہونے کے احساس نے مقاومت اور مدافعت کی اتنی صلاحیت اور اپنی برتری کے بالفعل اظہار کے لیے بے پناہ محنت اور جدوجہد کا جذبہ پیدا کر دیا ہے کہ تاریخ انسانی کے دوران بارہا انہیں شدید ترین جبر و تشدد کا سامنا کرنا پڑا، اور بعض مواقع پر تو ان کے ”استیصال“ اور قتل اور مجموعی خاتمے کی ایسی سرتوڑ کوششیں ہوئیں کہ جن کی کوئی دوسری مثال تاریخ انسانی میں بمشکل ہی مل سکے گی۔ اس سب کے باوجود وہ آج بھی دنیا میں موجود ہیں اور اگر کسی ایک خطے یا ملک سے انہیں دیس نکالا مل جاتا ہے تو کچھ ہی عرصے کے بعد نظر آتا ہے کہ انہوں نے کسی اور ملک میں قدم جما لیے ہیں۔ چنانچہ اس صدی کے آغاز میں علامہ اقبال نے ان کی جس کیفیت کا مشاہدہ بچشم سر یورپ میں کیا تھا جس کی تعبیر انہوں نے ان الفاظ میں فرمائی تھی کہ:

”فرنگ کی رگِ جاں پنجۂ یہود میں ہے!“

اس کے بعد بالخصوص جرمنی میں ہٹلر کے ہاتھوں اُن کا جو حشر ہوا اور وقتی طور پر انہیں جو نقصان پہنچا اُس کے چند سالوں کے اندر اندر انہوں نے بعینہٖ وہی حیثیت امریکہ میں حاصل کر لی۔ چنانچہ آج اسرائیل کی چھوٹی سی مملکت امریکہ ہی کی امداد اور سرپرستی کے بل پر نہ صرف پورے عالم عرب بلکہ پورے عالم اسلام کو ناکوں چنے چبوا رہی ہے۔ اور اسی پر بس نہیں دُور بیٹھے پاکستان تک کو دھمکیاں دے رہی ہے۔

اس سلسلے میں ضمنی طور پر یہ بات بھی سامنے آجائے تو اچھا ہے کہ یہ بات جو دنیا میں بالعموم کہی جاتی ہے کہ موجودہ دنیا کے دو ملک مذہب کی بنیاد پر قائم ہوئے ہیں، ایک پاکستان اور دوسرا اسرائیل، تو یہ درحقیقت اسرائیل کی نسل پرستی کو چھپانے کا نہایت شاطرانہ انداز ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ خالص مذہب کی بنیاد پر دنیا میں صرف ایک ہی ملک قائم ہوا ہے اور وہ ہے پاکستان۔ اسرائیل کی اساس مذہب پر نہیں نسل پرستی پر ہے اور ”صیہونیت“ اصلاً ایک دینی اور مذہبی تحریک نہیں بلکہ نسل پرستانہ تحریک ہے اور اسرائیل خالص نسل پرستانہ ملک ہے۔

بہر حال پاکستان میں نسلی قومیت کے لیے کوئی اساس موجود نہیں ہے۔ اس لیے کہ برصغیر پاک و ہند نسلی اعتبار سے غالباً پوری دنیا میں سب سے بڑی کھچڑی (بلکہ حلیم!) کی حیثیت رکھتا ہے اور ظاہر ہے کہ اسی کا ایک خلاصہ اس وقت پاکستان میں موجود ہے۔ چنانچہ ہمارے یہاں دراوڑی لوگ بھی موجود ہیں (جیسے بلوچستان کے براہوی قبائل) اور آریائی نسل سے تعلق رکھنے والے بھی موجود ہیں، اسی طرح منگول بھی ہیں اور سامی النسل بھی، بلوچ بھی ہیں اور افغان بھی، حتیٰ کہ شمالی علاقہ جات میں شین بھی ہیں اور بلتی بھی! الغرض یہاں کسی ایک نسل کے لوگ ایسی غالب اکثریت میں موجود نہیں ہیں کہ نسل قوم پرستی کی بنیاد پر ملک کے استحکام کی توقع کی جاسکے۔

نسلی قوم پرستی کے بعد موجودہ دنیا میں سب سے زیادہ طاقتور قومی جذبہ لسانی قوم پرستی کی صورت میں نظر آتا ہے۔ اس کی بھی دو مثالیں قابل توجہ ہیں: ایک عرب قوم پرستی اور دوسرے بنگلہ قوم پرستی۔

عرب قوم پرستی جو ماضی قریب میں عالم عرب میں ایک زبردست قوت کی حیثیت سے موجود رہا ہے اصلاً ایک لسانی قوم پرستی ہے۔ اس لیے کہ اس کی اساس نہ مذہب پر ہے نہ نسل پر، بلکہ صرف اور صرف زبان پر ہے۔ چنانچہ اس کے حلقہ بگوش اور علمبردار صرف مسلمان ہی نہیں رہے ہیں بلکہ دانشوروں کی سطح پر اس میں زیادہ بھاری پلڑا عیسائیوں کا رہا ہے، حتیٰ کہ یہودی بھی اس میں شریک رہے ہیں۔ پھر اس میں نسل کی بھی کوئی تخصیص نہیں ہے اس لیے کہ شمالی افریقہ کے باشندوں میں جہاں عرب آبادکاروں کی اولاد شامل ہے، وہاں قدیم قبطی اور بربر نسل کے لوگ بھی موجود ہیں۔ لیکن اس سب کے باوجود محض زبان کے اشتراک نے ان سب میں مشترک قومیت کا احساس پیدا کیا اور خواہ اُس کے اساسی فلسفے سے ہمیں کتنا ہی اختلاف ہو، بہر حال یہ تسلیم کرنا پڑتا ہے کہ عالم عرب نے یورپی استعمار کے خلاف جو جدوجہد کی اور جس کے بل پر اس استعمار کا جوا اپنے کندھوں سے اُتار پھینکا، اُس کی اصل اساس اسی لسانی قوم پرستانہ جذبہ پر تھی۔

اسی طرح پاکستان کے دولخت ہونے میں جہاں منفی طور پر اولاً بے مقصدیت اور بے یقینی کے خلاء اور بعد ازاں مارشل لاء کے ردعمل کو دخل حاصل ہے، وہاں مثبت طور پر جو ہتھیار سب سے زیادہ کارگر اور جو وار سب سے بڑھ کر کاری ثابت ہوا وہ بنگلہ قوم پرستی کا تھا جس کی اساس بنگلہ زبان پر قائم کی گئی تھی۔

حصول پاکستان کی تحریک کے دوران تو چونکہ مقابلہ ہندو قوم اور ہندی زبان سے تھا لہٰذا مسلم قومیت اور اُردو زبان تقریباً لازم و ملزوم بلکہ اس سے بھی بڑھ کر تقریباً مترادف اور ہم معنی ہو گئے تھے۔ لیکن قیام پاکستان کے فوراً بعد ہی مشرقی پاکستان میں بنگلہ زبان اردو کے مدمقابل کی حیثیت سے سامنے آگئی تھی اور خود قائداعظم کی زندگی کے دوران اس مسئلے نے اتنی شدت اختیار کر لی تھی کہ انہیں اپنی تمام تر علالت اور نقاہت کے باوجود مشرقی پاکستان کا سفر اختیار کرنا پڑا تھا۔ اسی زمانے کا واقعہ ہے کہ علامہ سید سلیمان ندویؒ کے ساتھ ڈھاکہ یونیورسٹی کے طلبہ نے نہایت توہین آمیز رویہ محض اس بات پر اختیار کیا تھا کہ انہوں نے خالص علمی انداز میں وہاں یہ فرما دیا تھا کہ کچھ عرصہ قبل بنگلہ زبان کا رسم الخط بھی وہی تھا جو عربی، فارسی، اردو، حتیٰ کہ سندھی، بلوچی اور پشتو کا ہے، اور یہ تجویز پیش کی تھی کہ دوبارہ بنگلہ زبان کا رسم الخط اُردو والا ہی اختیار کر لیا جائے تو لسانی بعد و فصل میں کمی آجائے گی جس سے قومی یکجہتی کو فروغ حاصل ہوگا۔

بہر حال پاکستان کی زندگی کے پہلے پچیس سالوں کے دوران جہاں ایک جانب بے یقینی اور بے مقصدیت کا خلاء مہیب سے مہیب تر ہوتا چلا گیا اور قومی و ملی سطح پر ضعف بڑھتا چلا گیا، وہاں مشرقی پاکستان میں بنگلہ زبان، بنگلہ ادب، بنگلہ تہذیب اور بنگلہ ثقافت کے حوالے سے بنگلہ قوم پرستی قدم جماتا چلا گیا۔ اور بالآخر اسی کے منطقی نتیجے کے طور پر ”بنگلہ دیش“ وجود میں آگیا اور مشرقی پاکستان کا نام بھی دنیا کے نقشے سے غائب ہو گیا۔

قصہ مختصر یہ کہ ہمارے پاس کل پاکستان اساس پر کسی لسانی قومیت سے پیدا شدہ جذبۂ عمل تو درکنار، تاحال ”قومی زبان“ کے مسئلے کا حل بھی موجود نہیں ہے۔

وطن کی اساس پر قومیت کی تشکیل کا تصور زیادہ پرانا نہیں ہے اور اسے عہد جدید کی پیداوار قرار دینا غلط نہ ہوگا۔ تاہم اس وقت عالمی سطح پر کم از کم نظری اور دستوری و قانونی اعتبار سے سب سے زیادہ چرچا اور سب سے بڑھ کر رواج اسی کا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ عہد حاضر میں قومیت کے تعین کے ضمن میں وطن ہی کو تقریباً متفقہ طور پر اساس تسلیم کر لیا گیا ہے۔ چنانچہ یہ اسی کا مظہر ہے کہ ایک موقع پر مولانا حسین احمد مدنیؒ کی زبان سے یہ الفاظ نکل گئے تھے کہ ”آج کل قومیں وطن کی بنیاد پر وجود میں آتی ہیں۔“ جس پر مفکر و مصور پاکستان علامہ اقبال مرحوم نے نہایت سخت اور تیز و تند تنقید کی تھی۔

اس کے باوجود چونکہ پاکستان میں کسی قوم پرستانہ جذبہ کی پیدائش اور نشوونما کے لیے نہ اشتراک نسل کی بنیاد

موجود ہے نہ اشتراکِ زبان کی۔ لہٰذا اس کے ضمن میں کم از کم نظری طور پر کسی قوم پرستانہ جذبے کے لیے واحد دستیاب اساس یہی رہ جاتی ہے۔ غالباً اسی درجہ بدرجہ نفی کے عمل کا نتیجہ تھا کہ بانی و موسس پاکستان قائداعظم محمد علی جناح مرحوم نے 11 اگست 1947ء کو پاکستان کی دستور ساز اسمبلی کے افتتاحی اجلاس میں اپنی تقریر کے دوران یہ جملہ کہہ دیا تھا کہ: ''عنقریب پاکستان میں نہ مسلمان مسلمان رہیں گے نہ ہندو ہندو رہیں گے، مذہبی اعتبار سے نہیں، اس لیے کہ مذہب تو اشخاص کا انفرادی معاملہ ہے، بلکہ سیاسی مفہوم کے اعتبار سے۔''

قائداعظم مرحوم کے ان الفاظ کا صحیح مفہوم کیا ہے؟ اور آیا ان الفاظ کو اُن کے سابقہ بیانات اور اعلانات کی نفی اور اپنے سابقہ موقف سے انحراف کا مظہر قرار دیا جائے، یا اُن کے اعصاب پر اُس وقت کے حالات کی پیچیدگیوں اور سنگینیوں سے پیدا شدہ شدید دباؤ کا اثر سمجھا جائے؟

پاکستان دو قومی نظریہ کی اساس پر وجود میں آیا تھا، جو وطنی قومیت کے نظریے کی کامل نفی کی حیثیت رکھتا ہے۔ تو کیسے ممکن ہے کہ کوئی ملک قائم تو ہو کسی نظریے کی کامل نفی کی اساس پر اور پھر اس کے استحکام کے لیے وہی نظریہ جڑ بنیاد کا کام دے سکے؟

انڈین نیشنل کانگریس اور آل انڈیا مسلم لیگ کے مابین اختلاف و نزاع کی اصل بنیاد کیا تھی؟ کانگریس کے نزدیک مذہب و ملت کا معاملہ علیحدہ تھا اور قومیت کا علیحدہ، چنانچہ ہندوستان میں مذاہب بہت سے تھے لیکن اُن سب کے پیروؤں پر مشتمل قوم ایک ہی تھی یعنی انڈین نیشن یا ہندی قوم، جب کہ مسلم لیگ کا موقف یہ تھا کہ یہ صورت دوسرے جملہ مذاہب کے پیروؤں کے نزدیک قابل قبول ہو تو ہو کم از کم مسلمانانِ ہند کے لیے ہرگز قابل قبول نہیں ہے، اس لیے کہ اُن کی قومیت کی اساس مذہب پر ہے، لہٰذا وہ ایک علیحدہ قوم ہیں اور اپنے جداگانہ قومی تشخص کے بقا کی ضمانت کے طور پر علیحدہ ملک کے حق دار ہیں۔

اس موضوع پر خود قائداعظم محمد علی جناح کے بے شمار بیانات اور اعلانات معروف ہیں۔

''وطنی قومیت'' کے نظریے پر جو کاری ضرب مصورِ پاکستان علامہ محمد اقبال نے لگائی تھی وہ یقیناً اس قابل ہے کہ اُسے ذہنوں میں تازہ کیا جائے۔ اس لیے کہ انہوں نے مسلمانوں کے ایک جداگانہ قوم ہونے کے صرف تہذیبی، تمدنی اور ثقافتی شواہد ہی پیش نہیں کیے تھے، بلکہ ایک ضربِ ابراہیمی سے اس باطل نظریے کے بت ہی کو پاش پاش کر دیا تھا کہ ملکی سرحدیں مستقل قومیتوں کی تشکیل کی بنیاد بن سکتی ہیں اور انسان محض زمینی تعلق کی بنا پر ایک دوسرے سے کٹ سکتا ہے۔ چنانچہ ''وطنیت (یعنی وطن بحیثیت ایک سیاسی تصور کے)'' کے عنوان سے فرماتے ہیں:

''اس دور میں مے اور ہے جام اور ہے جم اور
ساقی نے بنا کی روشِ لطف و ستم اور
مسلم نے بھی تعمیر کیا اپنا حرم اور
تہذیب کے آزر نے ترشوائے صنم اور
ان تازہ خداؤں میں بڑا سب سے وطن ہے
جو پیرہن اس کا ہے وہ مذہب کا کفن ہے
یہ بت کہ تراشیدۂ تہذیبِ نوی ہے
غارت گرِ کاشانۂ دینِ نبویؐ ہے
بازو ترا توحید کی قوت سے قوی ہے
اسلام ترا دیس ہے تو مصطفوی ہے
نظارۂ دیرینہ زمانے کو دکھا دے!
اے مصطفوی! خاک میں اس بت کو ملا دے!''

قصہ مختصر، وطنی قومیت کا نظریہ تحریک پاکستان کی نفی ہے اور اس کے فروغ سے پاکستان کی جڑیں مزید کھوکھلی تو ہو سکتی ہیں مضبوط نہیں ہو سکتیں۔

دوسری نہایت اہم وجہ یہ ہے کہ مسلمان خواہ وہ باعمل ہو خواہ بے عمل بہرحال اُس کے مزاج کی ایک مستقل ساخت ہے اور اُس کی طبیعت کی ایک خاص افتاد ہے، جس میں زمین کی پرستش اور ''وطن'' کے تقدس کے تصور کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔ گویا اس کی شخصیت کا خمیر جس مٹی سے اٹھا ہے اُس میں ''حبِ وطن'' کا مادہ تو ہو سکتا ہے، ''وطن پرستی'' کا امکان نہیں ہے۔

پروفیسر مرزا محمد منور اس حقیقت کو ان خوبصورت الفاظ سے تعبیر کیا کرتے ہیں کہ ہندو کلچر زمین میں گڑا ہوا اور زمین سے بندھا ہوا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اُن کے یہاں زمین ''دھرتی ماتا'' کی حیثیت رکھتی ہے اور ''بھارت کی جے'' کے نعرے سے اُن کے جذبات میں ابھار اور احساسات میں ارتعاش پیدا ہو جاتا ہے، جب کہ مسلمان کے دل میں زمین کے مقدس یا دیوتا ہونے کا کوئی تصور موجود نہیں ہے بلکہ اُس کا مزاج ''آفاقی'' ہے اور اس کے جذبات میں گرمی اور احساسات میں ہلچل ''اللہ اکبر'' کے نعرے سے ہوتی ہے۔

برصغیر پاک و ہند کے مسلمانوں کو زیادہ ہی خصوصیت حاصل ہے اور ان کا مزاج کچھ زیادہ ہی ''آفاقی'' ہے۔ اس کا ایک ممکنہ سبب یہ بھی ہو سکتا ہے کہ چونکہ یہاں کوئی دوسری نسلی یا لسانی عصبیت ایسی موجود نہیں تھی جو انہیں ایک دوسرے سے باندھ سکتی، لہٰذا اپنی شیرازہ بندی کے لیے انہیں مذہب کی قوت ماسکہ (Binding Force) پر دوسرے علاقوں کے مسلمانوں کے مقابلے میں زیادہ ہی انحصار کرنا پڑا اور چونکہ اسلام ایک علاقائی مذہب نہیں بلکہ آفاقی اور عالمی مذہب ہے، لہٰذا اُن میں ''آفاقیت'' دوسروں کے مقابلے میں زیادہ ہی سرایت کر گئی۔

چنانچہ بیسویں صدی عیسوی میں مغربی استعمار کے ہاتھوں عالمی ملت اسلامیہ کو جو چرکے لگے اور صدمے سہنے پڑے اور جن مظالم کا نشانہ بننا پڑا، اُن پر سب سے زیادہ درد انگیز نالے اور رقت آمیز مرثیے ہندوستان کے مسلمانوں نے کہے۔ اور اگرچہ وہ خود تو اُن مظالم و مصائب سے گزشتہ صدی کے دوران دوچار ہو چکے تھے اور اب نسبتاً پرامن ماحول اور قانونی و دستوری نظام میں زندگی گزار رہے تھے، لیکن جب بھی دنیا کے کسی بھی کونے سے مسلمانوں پر ظلم و ستم کی خبر آتی تھی، ہندوستان کا مسلمان بالکل اسی شان کے ساتھ تڑپ اٹھتا تھا جس کا نقشہ اس شعر میں سامنے آتا ہے:

خنجر چلے کسی پہ تڑپتے ہیں ہم امیرؔ
سارے جہاں کا درد ہمارے جگر میں ہے!

چنانچہ طرابلس میں مسلمانوں کے جھنڈے سرنگوں ہوئے تو عربی زبان میں دردانگیز مرثیہ کہا اعظم گڑھ (یوپی) کے ایک اصلاً ہندی اور نسلاً راجپوت مسلمان عالم و عارفِ کتاب الٰہی مولانا حمید الدینؒ نے۔

كَيْفَ الْقَرَارُ وَقَدْ نُكِسَ
أَعْلَامُنَا بِطَرَابُلُس!!

''قرار کیسے نصیب ہو جب کہ ہمارے جھنڈے طرابلس میں سرنگوں کر دیئے گئے۔''

الغرض مسلمانانِ برصغیر پاک و ہند کا مزاج ویسے تو ابتدا ہی سے آفاقی رہا ہے، لیکن اس صدی میں تو یہ کیفیت اپنے عروج کو پہنچی ہوئی نظر آتی ہے۔ اب ظاہر ہے کہ اس مزاج اور افتادِ طبع اور اس اندازِ فکر و نظر کے وارث کامل اور حامل اتم مسلمانانِ پاکستان کے قلب و نظر کی ایسی قلب ماہیت کیسے ممکن ہے کہ زمینی تعلق اتنا مضبوط اور وطن کی پرستش اتنی گہری ہو جائے کہ ایک وطنی قوم پرستی اس کے استحکام کی اصل اساس بن جائے۔

اس ضمن میں اس تاریخی تجزیے پر بھی نگاہ رہے تو مناسب ہوگا کہ اس صدی کے اوائل میں خلافتِ عثمانیہ کے خاتمے پر ایک زبردست عوامی تحریک چلی صرف اور صرف ہندوستان میں اور اس تحریک کی تیزی اور تندی کا عالم یہ تھا کہ نہ صرف یہ کہ پورے برصغیر کی فضا اس شعر کی صدائے بازگشت سے گونج اٹھی تھی کہ:

''بولیں اماں محمد علی کی جان بیٹا خلافت پہ دے دو!''

بلکہ ہندوؤں تک کو اس تحریک میں شمولیت اختیار کرنی پڑی تھی۔ اس لیے کہ آنجہانی موہن داس کرم چند گاندھی نے شدت کے ساتھ محسوس کر لیا تھا کہ اگر اس وقت اس تحریک کا ساتھ نہ دیا تو پورا پولیٹیکل کیریئر ختم ہو کر رہ جائے گا۔

تیسری اور آخری لیکن نہایت اہم بات یہ ہے کہ اگر زمینی تعلق ہی کو قومی جذبہ کی بنیاد بنانے پر زور دیا جائے تو اس سے اتحاد نہیں، انتشار وجود میں آئے گا۔ اس لیے کہ یہ نظریہ ایک ایسے حیوان کے مانند ہے جو اپنے دشمن کو خود اپنے ہی دودھ سے پالتا ہے۔ چنانچہ ''وطنی قومیت'' ہی کے بطن سے ''علاقائی قومیتیں'' جنم لیتی ہیں اور اسی کی چھاتیوں سے دودھ پی کر پروان چڑھتی ہیں۔

اس ضمن میں بھارت کا معاملہ اگرچہ پاکستان سے قدرے مختلف ہے کہ لفظ بھارت بھی کئی ہزار سال پرانا ہے اور ''مہا بھارت'' کا تصور بھی نہایت قدیم ہے۔ جبکہ پاکستان کا تو نام ہی حادثہ محض ہے۔ اس کے باوجود ''وطنی قومیت'' کے نظریے میں تقسیم در تقسیم کے جو بیج بالقوہ موجود ہوتے ہیں، اُس کا نقشہ وہاں بھی نظر آ رہا ہے اور علاقائی قومیتیں اور مقامی عصبیتیں نسلی اور لسانی عوامل سے مزید تقویت پا کر نہایت تیزی اور تندی کے ساتھ سر ابھار رہی ہیں اور بھارتی قیادت کو اپنی ملکی وحدت و سالمیت کو برقرار رکھنے کے لیے پیہم و مسلسل اور شدید و جاں گسل محنت کرنی پڑ رہی ہے۔ اس پس منظر میں دیکھا جائے تو پاکستان کا معاملہ بے حد نازک اور کمزور ہے۔ اس لیے کہ پاکستان کا تو تصور بھی پچاس سال سے زیادہ کی تاریخ نہیں رکھتا، اور کم از کم اس نام کے ساتھ کسی سیاسی وحدت اور اس کی عظمت و سطوت کی کوئی تاریخ موجود نہیں، لہٰذا اگر اس کی اساس پر وطنی قومیت کا راگ الاپا گیا تو اصل تقویت سندھی، بلوچی، پختون اور پنجابی قومیتوں کو حاصل ہو گی۔ اس لیے کہ اگر فی الواقع زمینی رشتہ ہی مقدس ہے تو ایک سندھی کے لیے سندھ کے وطن ہونے کا تصور زیادہ قریبی بھی ہے اور قدیمی بھی۔ پھر اس کو تقویت دینے کے لیے خاص طور پر لسانی عامل موجود ہے جو نہایت قوت کا حامل ہے۔ اور ظاہر ہے کہ پاکستان کا لفظ بھی نہ قرآن میں ہے نہ حدیث میں، اور اس کی حدود بھی ہرگز نہ کتاب وسنت سے ماخوذ ہیں نہ ان پر مبنی، تو پھر اگر وطن ہی کو ''پوجنا'' ہے تو سرزمین سندھ کو کیوں نہ ''پوجا'' جائے۔

اس پوری بحث کا حاصل یہ ہے کہ پاکستان کے استحکام کے لیے نہ ''تاریخی تقدس'' کا عامل موجود ہے نہ ہی ''جغرافیائی عوامل'' اس کے پشت پناہ ہیں، پھر کوئی نسلی، لسانی یا وطنی قومیت کا جذبہ بھی ایسا موجود نہیں ہے جو اس کے استحکام کے لیے پختہ اساس اور سنگین بنیاد کا کام دے سکے، لہٰذا اس کے استحکام کا کل دار و مدار صرف ایک چیز پر ہے اور وہ وہی ہے جس نے اسے جنم دیا تھا یعنی ''مذہبی جذبہ''۔

اگر اسے اپنی بقا مطلوب ہے اور یہ کسی دوسری طاقت کا طفیلی یا زیردست بن کر نہیں، بلکہ باوقار اور باعزت اور حقیقتاً آزاد اور خود مختار ہو کر باقی رہنا چاہتا ہے تو اس کے لیے کوئی اور چارۂ کار سرے سے موجود ہی نہیں ہے سوائے اس کے کہ یہ اسلام کا دامن تھامے اور اسی کا سہارا لے۔''

یہ بات ہر اُس شخص کے لیے اچھی طرح سمجھ لینے کی ہے جو کسی بھی وجہ سے پاکستان کے بقاء و استحکام کا طالب اور خواہش مند ہو۔

جو شخص بھی دل سے پاکستان کی بقاء و استحکام چاہتا ہو اُس کے لیے ان شاء اللہ العزیز ہمارا یہ تجزیہ فیصلہ کن ثابت ہو گا اور وہ اس حقیقت کو جان لے گا کہ اگرچہ عوام کی فلاح و بہبود، انتظامی مشینری کی اصلاح و تطہیر اور مختلف علاقوں کے رہنے والوں اور مختلف طبقات سے تعلق رکھنے والوں کا اعتماد و اطمینان بھی نہایت اہم امور ہیں اور اُن کے بغیر بھی یقیناً پاکستان مستحکم نہیں ہو سکتا اور خاص طور پر موجودہ حالت میں تو ان کی اہمیت بہت ہی زیادہ بڑھ گئی ہے۔

تاہم پاکستان کے دوام و استحکام کی اصل اساس یہ چیزیں نہیں بلکہ صرف اور صرف اسلامی جذبہ ہے اور اگر وہ جلد از جلد بھرپور انداز میں بروئے کار نہ آیا تو باقی تمام چیزوں کی اصلاح کے باوجود پاکستان یا تو اپنی سالمیت ہی کو برقرار نہیں رکھ سکے گا اور اس کے حصے بخرے ہو جائیں گے۔ یا اگر باقی رہے گا بھی تو کسی دوسری بڑی طاقت کا طفیلی یا زیردست ہو کر۔

وہ مذہبی جذبہ بجواب پاکستان کے استحکام کی حقیقی، واقعی، مضبوط اور پائیدار بنیاد بن سکتا ہے اپنی نوعیت کے اعتبار سے قطعاً مختلف ہے، اُس ''مذہبی جذبے'' سے جس نے پاکستان کو جنم دیا تھا اور جو آج سے تقریباً نصف صدی قبل تحریک پاکستان کی رُوحِ رواں بنا تھا۔ راقم قائداعظم مرحوم کے 11 اگست 1947ء کے جملے کے بارے میں اپنی توجیہہ پیش کرنے کی جسارت کرتا ہے۔

قائداعظم کا وہ قول نہ تو ان کے سابقہ موقف سے انحراف کا مظہر تھا۔ اس لیے کہ قائداعظم مرحوم خواہ ایک ''مذہبی شخصیت'' نہ تھے تاہم ہرگز دنیا کے عام سیاستدانوں کے مانند جھوٹے اور فریبی نہیں تھے، اور ان کے کردار کی مضبوطی، ''سیرت کی پختگی'' ظاہر و باطن کی یکسانیت اور صداقت و امانت کا لوہا ان کے بدترین دشمن بھی مانتے ہیں۔ اسی طرح اُن کا وہ متنازعہ جملہ حالات کے وقتی دباؤ کے تحت اعصاب کے متاثر ہو جانے کا بھی مظہر نہیں تھا، اس لیے کہ قائداعظم کے اعصاب ہرگز اتنے کمزور نہ تھے، بلکہ وہ واقعتاً فولادی اعصاب کے مالک تھے اور برے سے برے حالات میں بھی اُن پر کبھی گھبراہٹ یا سراسیمگی کے طاری ہونے کی کوئی مثال نہیں ملتی۔

اُن کے اس قول کی اصل توجیہ اور اُن کے سابق موقف کے ساتھ اُس کی مطابقت و موافقت کی صورت یہ ہے کہ پیش نظر اوّلاً برصغیر پاک و ہند میں بسنے والے مسلمانوں کے دین و مذہب، تہذیب و ثقافت اور سیاسی و معاشی حقوق کی حفاظت و مدافعت تھی، جو قیام پاکستان کی صورت میں بتمام و کمال حاصل ہو گئی اور ان چیزوں کے ضمن میں ہندوؤں کے نامنصفانہ بلکہ متعصبانہ رویے سے پیدا شدہ خطرات کا سدِ باب ہو گیا۔ ثانیاً پاکستان میں واقعتاً اسلامی نظام کے بالفعل قیام کے ضمن میں اُن کے پیش نظر ایک خالص جمہوری طریقہ تھا۔ یعنی یہ کہ اگر پاکستان کے مسلمانوں میں جو ایک غالب اور فیصلہ کن اکثریت میں ہیں، واقعتاً اسلام کے ساتھ حقیقی اور واقعی لگاؤ پیدا ہو جائے اور وہ حقیقتاً اور واقعتاً اسلامی تہذیب و تمدن کے فروغ اور اسلامی قانون و شریعت کے نفاذ و اجراء کے خواہاں بن جائیں تو خالص سیکولر جمہوری نظام بھی اُن کے راستے میں ہرگز رکاوٹ نہیں بن سکتا، اور اُن کے اجتماعی ارادے'' کے بروئے کار آنے میں ہرگز کوئی چیز مانع نہیں ہو سکتی، لہٰذا فوری طور پر دستوری اور قانونی سطح پر مذہبیت کا راگ الاپنے اور پوری دنیا کو خبردار اور چوکنا کر دینے کی ضرورت نہیں ہے۔

ایک جمہوری نظام میں قانون سازی کا سارا دار و مدار کثرت رائے پر ہوتا ہے، لہٰذا اگر بالفرض پاکستان میں ایک سیکولر لیکن حقیقتاً جمہوری نظام قائم ہو جائے تو مسلمانوں کی عظیم اکثریت کو دین و مذہب کی جانب پیش قدمی سے کوئی چیز روک نہیں سکتی۔

اب یہ تو ممکن ہے کہ کسی کو قائداعظم کی اس رائے سے اختلاف ہو اور وہ اس طریق کار کو اسلامی نظام کے قیام اور قانون اسلامی کے نفاذ و ترویج کے لیے درست اور مؤثر نہ سمجھے، لیکن اس توجیہ سے وہ سارے اشکال حل ہو جاتے ہیں جو اس جملے کے ظاہری الفاظ سے پیدا ہوتے ہیں اور نہ کسی انحراف کا کوئی سوال باقی رہتا ہے نہ کسی وقتی اور فوری سراسیمگی کا۔ هٰذَا مَا عِنْدِي وَالْعِلْمُ عِنْدَ اللهِ!

تنظیم اسلامی پاکستان کے زیر اہتمام خصوصی مہم

"اتحادِ اُمت اور پاکستان کی سالمیت"

حضرت مولانا مفتی محمد شفیعؒ کی معرکۃ الآرا تصنیف "وحدتِ اُمت" سے چند اقتباسات

اُمتِ اسلامیہ: ناقابل تقسیم وحدت

جہاں تک اسلام کی دعوتِ اتحاد اور تمام دنیا کے مسلمانوں کو بلکہ کل انسانوں کو ایک قوم، ایک خاندان اور ایک برادری قرار دینے کا معاملہ ہے، وہ کوئی ایسی چیز نہیں جو کسی مسلمان پر مخفی ہو۔ قرآن کریم کے واضح الفاظ: ﴿خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ﴾ میں تمام بنی نوع اور بنی آدم انسان کو، ﴿اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَةٌ﴾ میں مسلمانوں کو ایک برادری قرار دیا گیا۔

خطبہ حجۃ الوداع میں رسول کریم ﷺ نے جو اُس وقت کے مسلمانوں کے سب سے بڑے اجتماع میں ہدایتی اصول ارشاد فرمائے اُن میں اس بات کو بڑی اہمیت سے ذکر فرمایا کہ: "اسلام میں کالے گورے، عربی عجمی وغیرہ کا کوئی امتیاز نہیں۔ سب ایک ماں باپ سے پیدا ہونے والے افراد ہیں۔"

اس ارشاد کے ذریعے جاہلانہ وحدتیں جو نسب اور خاندان کی بنیاد پر یا وطن اور رنگ اور زبان کی بنیاد پر لوگوں نے قائم کر لی تھیں، ان سب کے بتوں کو توڑ کر صرف خدا پرستی اور دین کی وحدت کو قائم فرمایا۔

یہی وہ حقیقی وحدت ہے جو مشرق و مغرب کے تمام بنی آدم اور نوعِ انسان کے تمام افراد کو متحد کر کے ایک قوم اور ایک برادری بنا سکتی ہے اور سعی و عمل کے ذریعہ حاصل کی جا سکتی ہے۔ نسب اور وطن یا رنگ اور زبان کی بنیاد پر جو وحدتیں اہل جاہلیت نے قائم کر لی تھیں اور آج کی مزعومہ روشن خیالی کے دور میں پھر انہی کی پرستش کی جا رہی ہے ان وحدتوں کی بنیاد پر ہی انسانوں کے طبقات میں تفرقہ ہے اور تفرقہ بھی ایسا جس کو کسی عمل اور کوشش سے مٹایا نہیں جا سکتا۔ جو کالا ہے وہ گورا نہیں بن سکتا، جو نسب میں سید یا شیخ نہیں وہ کسی سعی و عمل سے شیخ یا سید نہیں بن سکتا۔

اسلام نے ایک ایسی وحدت کی طرف دعوت دی جس میں تمام انسانی افراد بلا کسی مشقت کے شریک ہو سکتے ہیں، اور یہ وحدت چونکہ ایک مالک حقیقی وحدہٗ لاشریک لہٗ کے تعلق اور اس کی اشاعت سے وابستہ ہے، اس لیے بلاشبہ ناقابل تقسیم ہے۔

وہ ملت جس نے دنیا کے تمام انسانوں کو ایک خدا کی اطاعت پر جمع کر کے ایک برادری بنانے کی دعوت دی تھی:

﴿يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمُ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ﴾ (النساء:۱)

اور پھر مسلسل دعوت اور افہام و تفہیم کے باوجود لوگ اس برادری سے کٹ گئے، ان کو ایک جداگانہ قوم قرار دے کر اللہ تعالیٰ کے ماننے والوں کو حسبِ دستور ایک قوم، ایک ملت اور ایک برادری بنا کر بنیان مرصوص سیسہ پلائی ہوئی ناقابل شکست دیوار بنایا تھا، آج وہ ملت ہی طرح طرح کے تفرقوں میں مبتلا، ایک دوسرے سے بےزار اور برسرِ پیکار نظر آتی ہے۔ اس میں سیاسی پارٹیوں کے جھگڑے، نسبی برادریوں کی تفریق، پیشوں اور کاروبار کی تقسیم اور امیر غریب کا تفرقہ تو بنیادِ منافرت تھی ہی، زیادہ افسوس اس کا ہے کہ دین اور خدا پرستی غیروں کو اپنا بنانے اور نسبی، نسلی، وطنی اور لسانی تفرقوں کو مٹانے ہی کا نسخۂ اکسیر تھا، آج وہ بھی ہمارے لیے جنگ و جدل، عداوتوں اور جھگڑوں کا ذریعہ بن گیا، جس نے پوری ملت کو دینی و دنیوی ہر اعتبار سے ہلاکت کے غار میں دھکیل دیا اور اس سے بچنے کا کوئی علاج نظر نہیں آ رہا۔ ہماری ہر تنظیم تفریق اور ہر اجتماع افتراق کا سامان بہم پہنچاتا ہے۔ اور یہی وہ روگ ہے جس نے ملتِ اسلامیہ کو اس عظیم الشان عددی اکثریت کے باوجود پسماندہ بنایا ہوا ہے۔ ہر قوم ہمیں اپنے میں جذب کرنے کی طمع رکھتی ہے۔ مسلمانوں کی زندگی کے ہر شعبہ پر عقائد سے لے کر اعمال و اخلاق تک، ثقافت و معاشرت سے لے کر معاملات و اقتصادیات تک ہر قوم کی یلغار ہے۔

ہمارے عوام انگریز کے ڈیڑھ سو سالہ دورِ اقتدار میں مختلف تدبیروں کے ذریعہ علمِ دین سے محروم اور حقائق سے ناآشنا کر دیے گئے، اب گھر کی دولت علم و فکر گنوا کر جو کچھ دوسروں کی طرف سے آتا ہے، اسی کو سرمایہ سعادت سمجھنے لگے، خصوصاً جب کہ اس تعلیم و تہذیب کے سایہ میں نفس کی بےلگام خواہشات اور عیش و عشرت کا میدان بھی کھلا نظر آتا ہے، اور ہمارے علماء اہل فکر و نظر اپنے جزوی اور فروعی اختلافات اور بہت سے غیر ضروری مسائل میں ایسے اُلجھ گئے کہ ان کو اسلام کی سرحدوں پر ہونے والی یلغار کی گویا خبر ہی نہیں۔

میں یہ واضح کر دینا چاہتا ہوں کہ نظری مسائل میں آراء کا اختلاف نہ مضر ہے، نہ اس کے مٹانے کی ضرورت ہے اور نہ مٹایا جا سکتا ہے۔ اختلافِ رائے نہ وحدتِ اسلامی کے منافی ہے نہ کسی کے لیے مضر، بلکہ اختلافِ رائے ایک فطری اور طبعی امر ہے، جس سے نہ کبھی انسانوں کا کوئی گروہ خالی رہا، نہ رہ سکتا ہے۔ کسی جماعت میں ہر کام اور ہر بات میں مکمل اتفاقِ رائے صرف دو صورتوں میں ہو سکتا ہے، ایک یہ کہ ان میں کوئی سوجھ بوجھ والا انسان نہ ہو جو معاملہ پر غور کر کے کوئی رائے قائم کرنے کی صلاحیت رکھتا ہو، اس لیے ایسے مجمع میں ایک شخص کوئی بات کہہ دے تو دوسرے سب اس پر اس لیے اتفاق کر سکتے ہیں کہ ان کے پاس کوئی رائے اور بصیرت ہی نہیں۔ دوسرے اس صورت میں مکمل اتفاقِ رائے ہو سکتا ہے کہ مجمع کے لوگ ضمیر فروش اور خائن ہوں کہ ایک بات کو غلط اور مضر جانتے ہوئے محض دوسروں کی رعایت سے اختلاف کا اظہار نہ کریں۔ اور جہاں عقل بھی ہو اور دیانت بھی یہ ممکن نہیں کہ ان میں اختلافِ رائے نہ ہو۔

انتظامی اور تجرباتی امور میں تو اختلافِ رائے خود رسول کریم ﷺ کے عہد مبارک میں آپ ﷺ کی مجلس میں بھی ہوتا رہا اور خلفائے راشدین اور عام صحابہ کرام ؓ کے عہد میں امورِ انتظامیہ کے علاوہ جب نئے نئے حوادث اور شرعی مسائل سامنے آئے، جن کا قرآن و حدیث میں صراحتاً ذکر نہ تھا یا قرآن کی ایک آیت کا دوسری آیت سے یا ایک حدیث کا دوسری حدیث سے بظاہر تعارض نظر آیا اور ان کو قرآن و سنت کی نصوص میں غور کر کے تعارض کو رفع کرنے اور شرعی مسائل کے

استخراج میں اپنی رائے اور قیاس سے کام لینا پڑا تو ان میں اختلاف رائے ہوا، جس کا ہونا عقل و دیانت کی بنا پر ناگزیر تھا۔

اذان اور نماز جیسی عبادتیں جو دن میں پانچ مرتبہ میناروں اور مسجدوں میں ادا کی جاتی ہیں، ان کی بھی جزوی کیفیات میں اس مقدس گروہ کے افراد کا خاصا اختلاف نظر آتا ہے، اور اس کے اختلاف رائے پر باہمی بحث و مباحثہ میں بھی کوئی کمی نظر نہیں آتی۔ ایسے ہی غیر منصوص یا مبہم معاملات حلال و حرام، جائز و ناجائز میں بھی صحابہ کرام ؓ کی آراء کا اختلاف کوئی ڈھکی چھپی چیز نہیں۔ پھر صحابہ کرام ؓ کے شاگرد حضرات تابعین کا یہ عمل بھی ہر اہل علم کو معلوم ہے کہ ان میں سے کوئی جماعت کسی صحابیؓ کی رائے کو اختیار کر لیتی تھی اور کوئی ان کے مقابل دوسری جماعت دوسرے صحابیؓ کی رائے پر عمل کرتی تھی، لیکن صحابہؓ و تابعین کے اس پورے خیر القرون میں اس کے بعد آئمہ مجتہدین اور ان کے پیروؤں میں کہیں ایک واقعہ بھی اس کا سننے میں نہیں آیا کہ ایک دوسرے کو گمراہ یا فاسق کہتے ہوں، یا کوئی مخالف فرقہ اور گروہ سمجھ کر ایک دوسرے کے پیچھے اقتداء کرنے سے روکتے ہوں۔

امام ابن عبدالبر قرطبیؒ نے اپنی کتاب ”جامع بیان العلم“ میں سلف کے باہمی اختلافات کا حال الفاظ ذیل میں بیان کیا ہے:

(عن یحیی بن سعید قال: ما برح اهل الفتوی یفتون فیحل هذا ویحرم هذا فلا یری المحرم المحل هلک لتحلیله ولا یری المحل ان المحرم هلک لتحریمه)

”یحییٰ بن سعید فرماتے ہیں کہ ہمیشہ اہل فتویٰ فتوے دیتے رہے۔ ایک شخص غیر منصوص احکام میں ایک چیز کو حلال قرار دیتا ہے، دوسرا حرام کہتا ہے، مگر نہ حرام کہنے والا یہ سمجھتا ہے کہ جس نے حلال ہونے کا فتویٰ دیا وہ ہلاک اور گمراہ ہو گیا، اور نہ حلال کہنے والا یہ سمجھتا ہے کہ جس نے حرام ہونے کا فتویٰ دیا وہ ہلاک اور گمراہ ہو گیا۔“

اسی کتاب میں نقل کیا ہے کہ حضرت اسامہ بن زید ؓ نے فقیہہ مدینہ حضرت قاسم بن محمد ؒ سے ایک مختلف فیہ مسئلہ کے متعلق دریافت کیا تو انہوں نے فرمایا کہ ان دونوں آراء میں سے آپ جس پر عمل کر لیں کافی ہے، کیونکہ دونوں طرف صحابہ کرام ؓ کی ایک جماعت کا اُسوہ موجود ہے۔

یہ رواداری کی تلقین اور اختلاف رائے کے باوجود اپنے مخالف کی رائے کا احترام صرف ایسے مسائل میں ہے جو یا تو قرآن و سنت میں صراحتاً مذکور نہیں، یا مذکور ہیں مگر ایسے اجمال یا ابہام کے ساتھ کہ ان کی تشریح و تفسیر کے بغیر ان پر عمل نہیں ہو سکتا، یا دو آیتوں یا دو روایتوں میں بظاہر کچھ تعارض نظر آتا ہے۔

قادیان میں ہر سال ہمارا جلسہ ہوا کرتا تھا اور سیدی حضرت مولانا سید محمد انور شاہ صاحب ؒ بھی اس میں شرکت فرمایا کرتے تھے۔ ایک سال اسی جلسہ پر تشریف لائے، میں بھی آپ کے ساتھ تھا۔ ایک صبح نماز فجر کے وقت اندھیرے میں حاضر ہوا تو دیکھا کہ حضرت سر پکڑے ہوئے بہت مغموم بیٹھے ہیں۔ میں نے پوچھا: حضرت کیسا مزاج ہے؟ کہا ہاں! ٹھیک ہی ہے میاں، مزاج کیا پوچھتے ہو، عمر ضائع کر دی۔

میں نے عرض کیا حضرت! آپؒ کی ساری عمر علم کی خدمت میں، دین کی اشاعت میں گزری ہے۔ ہزاروں آپؒ کے شاگرد علماء ہیں، مشاہیر ہیں، جو آپؒ سے مستفید ہوئے اور خدمت دین میں لگے ہوئے ہیں، آپؒ کی عمر اگر ضائع ہوئی تو پھر کس کی عمر کام میں لگی؟

فرمایا: میں تمہیں صحیح کہتا ہوں: عمر ضائع کر دی!

میں نے عرض کیا: حضرت بات کیا ہے؟

فرمایا: ہماری عمر کا، ہماری تقریروں کا، ہماری ساری کدوکاوش کا خلاصہ یہ رہا ہے کہ دوسرے مسلکوں پر حنفیت کی ترجیح قائم کر دیں، امام ابوحنیفہؒ کے مسائل کے دلائل تلاش کریں۔ یہ رہا ہے محور ہماری کوششوں کا، تقریروں کا اور علمی زندگی کا!

اب غور کرتا ہوں تو دیکھتا ہوں کہ کس چیز میں عمر برباد کی؟ امام ابوحنیفہؒ ہماری ترجیح کے محتاج ہیں کہ ہم ان پر کوئی احسان کریں؟ ان کو اللہ تعالیٰ نے جو مقام دیا ہے وہ مقام لوگوں سے خود اپنا لوہا منوائے گا، وہ تو ہمارے محتاج نہیں۔

امام شافعیؒ، امام مالکؒ اور احمد بن حنبلؒ اور دوسرے مسالک کے فقہاء جن کے مقابلے میں ہم یہ ترجیح قائم کرتے آئے ہیں، کیا حاصل ہے اس کا؟ اس کے سوا کچھ نہیں کہ ہم زیادہ سے زیادہ اپنے مسلک کو ”صواب محتمل الخطا“ (درست مسلک جس میں خطا کا احتمال موجود ہے) ثابت کر دیں اور دوسرے کے مسلک کو ”خطا محتمل الصواب“ (غلط مسلک جس کے حق ہونے کا احتمال موجود ہے) کہیں۔ اس سے آگے کوئی نتیجہ نہیں ان تمام بحثوں، تدقیقات اور تحقیقات کا جن میں ہم مصروف ہیں۔

پھر فرمایا: ارے میاں! اس کا تو کہیں حشر میں بھی راز نہیں کھلے گا کہ کون سا مسلک صواب تھا اور کون سا خطا۔ اجتہادی مسائل صرف یہی نہیں کہ دنیا میں ان کا فیصلہ نہیں ہو سکتا، دنیا میں بھی ہم تمام تر تحقیق و کاوش کے بعد یہی کہہ سکتے ہیں کہ یہ بھی صحیح، یا یہ کہ یہ صحیح ہے لیکن احتمال موجود ہے کہ یہ خطا ہو، اور وہ خطا ہے اس احتمال کے ساتھ کہ صواب ہو۔ دنیا میں تو یہ ہے ہی، قبر میں بھی منکر نکیر نہیں پوچھیں گے کہ رفع الیدین حق تھا یا ترک رفع الیدین حق تھا؟ آمین بالجہر حق تھی یا بالسر حق تھی؟ برزخ میں بھی اس کے متعلق سوال نہیں کیا جائے گا اور قبر میں بھی یہ سوال نہیں ہوگا۔

حضرت شاہ صاحب ؒ کے الفاظ یہ تھے:

اللہ تعالیٰ امام شافعیؒ کو رسوا کرے گا، نہ امام ابوحنیفہؒ کو، نہ امام مالکؒ کو نہ امام احمد بن حنبلؒ کو، جن کو اللہ تعالیٰ نے اپنے دین کے علم کا انعام دیا ہے، جن کے ساتھ اپنی مخلوق کے بہت بڑے حصے کو لگا دیا ہے، جنہوں نے نور ہدایت چار سو پھیلایا ہے، جن کی زندگیاں سنت کا نور پھیلانے میں گزریں، اللہ تعالیٰ ان میں سے کسی کو رسوا نہیں کرے گا

تو جس چیز کو نہ دنیا میں کہیں نکھرنا ہے، نہ برزخ میں اور نہ محشر میں، اسی کے پیچھے پڑ کر ہم نے اپنی عمر ضائع کر دی، اپنی قوت صرف کر دی اور جو صحیح اسلام کی دعوت تھی، مجمع علیہ اور سبھی کے مابین جو مسائل متفقہ تھے، اور دین کی جو ضروریات سبھی کے نزدیک اہم تھیں، جن کی دعوت انبیاء کرام ؑ لے کر آئے تھے، جن کی دعوت کو عام کرنے کا ہمیں حکم دیا گیا تھا، اور وہ منکرات جن کو مٹانے کی کوشش ہم پر فرض کی گئی، آج یہ دعوت تو نہیں دی جا رہی۔ یہ ضروریات دین تو لوگوں کی نگاہوں سے اوجھل ہو رہی ہیں اور اپنے و اغیار ان کے چہرے کو مسخ کر رہے ہیں۔ اور وہ منکرات جن کو مٹانے میں ہمیں لگے ہونا چاہیے تھا، وہ پھیل رہے ہیں، گمراہی پھیل رہی ہے، الحاد آ رہا ہے، شرک و بت پرستی چلی آ رہی ہے، حرام و حلال کا امتیاز اٹھ رہا ہے، لیکن ہم لگے ہوئے ہیں ان فرعی و فروعی بحثوں میں!

ایسے ہی اختلاف کے متعلق جس میں صحابہ کرام ؓ

کی دو آراء ہوں، امام اعظم ابوحنیفہؒ نے فرمایا:

(احد القولین خطأ والاثم فیه موضوع)

''متضاد اقوال میں سے ایک خطا ہے، مگر اس خطا کا گناہ معاف کر دیا گیا ہے''۔

اور امام مالکؒ سے صحابہ کرام ؓ کے باہمی اختلافات کے متعلق سوال کیا گیا تو انہوں نے فرمایا:

(خطأ و صواب فانظر فی ذلک)

''ان میں بعض خطا ہیں، بعض صواب و صحیح، تو عمل کرنے والے اہل اجتہاد کو غور کر کے کوئی جانب متعین کرنا چاہیے''۔

امام مالکؒ نے اپنے اس ارشاد میں جس طرح یہ واضح کر دیا کہ اختلاف اجتہادی میں ایک جانب صواب و صحیح اور دوسری جانب خطا ہوتی ہے، دونوں متضاد چیزیں صواب نہیں ہوتیں، اسی طرح یہ بھی ارشاد فرمایا کہ اس اختلاف و خطا دونوں میں باہم جھگڑا اور جدال جائز نہیں۔ صرف اتنا کافی ہے کہ جس کو خطا پر سمجھتا ہے اس کو نرمی اور خیر خواہی سے خطا پر متنبہ کر دے۔ پھر وہ قبول کرے تو بہتر ورنہ سکوت کرے۔ جدال اور جھگڑا یا بدگوئی نہ کرے۔

محمد بن عبدالرحمن صیرفیؒ نے حضرت امام احمد بن حنبلؒ سے سوال کیا کہ جب کسی مسئلہ میں صحابہ کرامؓ باہم مختلف ہوں تو کیا ہمارے لیے یہ جائز ہے کہ ہم ان میں غور و فکر کر کے یہ فیصلہ کریں کہ ان میں صحیح صواب کس کا قول ہے؟ تو فرمایا: (لا یجوز النظر بین اصحاب رسول الله صلی الله علیه وسلم)

''رسول اللہ ﷺ کے صحابہؓ کے اختلاف میں لوگوں کو غور و فکر ہی نہ کرنا چاہیے''۔

صیرفیؒ نے کہا کہ پھر عمل کس کے قول پر اور کس طرح کریں؟ (تقلد ایهم شئت)

''ان میں سے جس کا چاہو اتباع کر لو۔ (یہی کافی ہے۔)''

حضرت ابی بن کعبؓ اور عبداللہ بن مسعودؓ میں ایک مسئلہ میں باہمی اختلاف ہو رہا تھا۔ حضرت فاروق اعظمؓ نے سنا تو غضب ناک ہو کر باہر تشریف لائے اور فرمایا کہ ''افسوس! رسول اللہ ﷺ کے اصحاب میں ایسے دو شخص باہم جھگڑ رہے ہیں جن کی طرف لوگوں کی نظریں ہیں اور جن سے لوگ دین کا استفادہ کرتے ہیں۔'' پھر ان دونوں کے اختلافات کا فیصلہ اس طرح فرمایا:

(صدق أبي ولم يأل ابن مسعود) یعنی ''صحیح بات تو ابی بن کعبؓ کی ہے مگر اجتہاد میں کوتاہی ابن مسعودؓ نے بھی نہیں کی''۔ پھر فرمایا کہ ''مگر میں آئندہ ایسے مسائل میں جھگڑا کرتا ہوا کسی کو نہ دیکھوں، ورنہ اتنی سزا دوں گا۔''

حضرت فاروق اعظمؓ کے اس ارشاد سے ایک تو یہ بات ثابت ہوئی کہ اجتہادی مسائل و اختلافات میں ایک قول صواب و صحیح ہوتا ہے، اور دوسرا اگرچہ صواب نہیں مگر ملامت اس پر بھی نہیں کی جاسکتی۔

دوسری بات یہ معلوم ہوئی کہ ایسے اجتہادی مسائل میں خلاف و اختلاف پر زیادہ زور دینا مقتدایان اہل علم کے لیے مناسب نہیں، جس سے ایک دوسرے پر ملامت یا نزاع و جدال کے خطرات پیدا ہو جائیں۔

امام شافعیؒ کے ایک مفصل کلام کو نقل کر کے ابن عبدالبرؒ نے فرمایا کہ امام شافعیؒ کے اس کلام میں اس کی دلیل موجود ہے کہ مجتہدین کو آپس میں ایک دوسرے کا تخطیہ نہ کرنا چاہیے۔ یعنی ان میں کوئی ایک دوسرے کو یہ نہ کہے کہ آپ غلطی اور خطا پر ہیں۔

خلاصہ یہ کہ اجتہادی اختلافات میں جمہور علماء کے نزدیک علم الٰہی کے اعتبار سے دو مختلف آراء میں سے حق تو کوئی ایک ہی ہوتی ہے، مگر اس کا متعین کرنا کہ ان میں سے حق کیا ہے اس کا یقینی ذریعہ کسی کے پاس نہیں، دونوں طرف خطا و صواب کا احتمال دائر ہے۔ مجتہد اپنے غور و فکر سے کسی ایک جانب کو راجح قرار دے کر عمل کے لیے اختیار کر لیتا ہے۔ (اقتباسات: صفحہ 6 تا 17)

❀❀❀

گوشہ انسدادِ سود

وفاقی شرعی عدالت کے 14 سوال اور ان کے جوابات

(گزشتہ سے پیوستہ)

تاہم دورِ حاضر کے فقہاء قرضوں کی انڈیکسیشن کے جواز پر مختلف آراء رکھتے ہیں۔ علماء کا ایک طبقہ جس میں رفیق المصریؒ، سلطان ابوعلی، ایم اے منان، ضیاء الدین احمد، عمر زبیر اور گل محمد شامل ہیں، انڈیکسیشن کو جائز سمجھتا ہے۔ انہیں اس میں ایسی کوئی بات نظر نہیں آتی جو شرعی قوانین سے متصادم ہو، بلکہ وہ اسے قرآن و سنت میں بیان کردہ انصاف کے اصولوں کے عین مطابق قرار دیتے ہیں۔ اس کے برعکس، بعض علماء ایسے بھی ہیں جو انڈیکسیشن کو اسلامی تعلیمات کے منافی سمجھتے ہیں۔ ان کا خیال ہے کہ انڈیکسیشن درحقیقت قرض پر معین منافع کا حصول ہے اور یہ شریعت میں مذکور ان اصولوں سے بھی رُوگردانی کرتا ہے جو قرضوں کی ادائیگی سے متعلق ہیں۔ اس نقطہ نظر کے حامل سکالرز میں محمد عمر چھاپرا، منظر کہف، ایم نجات اللہ صدیقی، محمد حسن الزماں، مولانا تقی عثمانی، علی احمد سلوس اور بعض دوسرے نامور علماء شامل ہیں۔ (جاری ہے)

بحوالہ: ''انسدادِ سود کا مقدمہ اور وفاقی شرعی عدالت کے 14 سوال'' از حافظ عاطف وحید

آہ! فیڈرل شریعت کورٹ کے سود کے خلاف فیصلہ کو 1196 دن گزر چکے!

ڈاکٹر اسرار احمدؒ اور تنظیم اسلامی

ابو موسیٰ

انجمن خدام القرآن اور تنظیم اسلامی کے بانی محترم ڈاکٹر اسرار احمدؒ جماعت اسلامی کے ماچھی گوٹھ کے اجتماع عام کے بعد جماعت اسلامی سے الگ ہوئے۔ اس علیحدگی کی تفصیل یعنی یہ کیوں اور کیسے ہوئی؟ تنظیم کے اکثر رفقاء نے خود ڈاکٹر صاحب سے سن رکھی ہے۔ باقی حضرات ان کی مختلف تحریروں خاص طور پر اُن کی مشہور کتاب ”جماعت اسلامی ایک تحقیقی جائزہ“ میں پڑھ چکے ہیں۔ لہٰذا ہم بات کا آغاز آپؒ کی جماعت سے علیحدگی کے بعد اس وقت سے کریں گے جب ڈاکٹر صاحب اپنی فیملی سمیت مستقلاً لاہور میں مقیم ہو گئے۔ آپ نے اپنی تحریک کا آغاز لاہور میں مختلف مقامات پر دروس قرآن سے کیا۔

قارئین حیران ہوں گے کہ دروس قرآن کے حوالے سے کون سی تحریک کا آغاز ہوا تھا وہ تو محض دروس قرآن تھے۔ لیکن راقم کو مسجد خضراء کے خطابات جمعہ سے لے کر ان کے انتقال تک قریباً نصف صدی تک کسی نہ کسی انداز میں صحبت کا شرف حاصل رہا۔ (کچھ عرصہ محض سامع کی حیثیت سے اور طویل عرصہ تک مامور کی حیثیت سے) اس کا ثمرہ یہ تھا کہ راقم کو اس بات کا یقین ہو گیا کہ جب ڈاکٹر صاحبؒ نے جماعت اسلامی سے استعفیٰ دیا تھا تو ایک مکمل روڈ میپ اور دینوی ہدف ڈاکٹر صاحبؒ پر واضح تھا کہ کس طرح انہوں نے مرحلہ وار اپنے اس ہدف کی طرف بڑھنا ہے۔ لہٰذا لاہور سے شروع ہونے والے دروس قرآن حقیقتاً تحریک کا آغاز تھے۔

حقیقت یہ ہے کہ ڈاکٹر صاحبؒ کا تصورِ اسلام مجاہدانہ تھا۔ وہ بچپن میں ہی اپنی والدہ کو شاہنامہ اسلام جو انہیں زبانی یاد ہو گیا تھا، سنایا کرتے تھے۔ ڈاکٹر صاحبؒ فرماتے ہیں کہ جب علامہ اقبال فوت ہوئے تو وہ چھ سال کے تھے، جس کا انہیں صدمہ پہنچا۔ حیرت کی بات ہے کہ چھ سال کے بچے نے محسوس کیا کہ بہت بڑا قومی سانحہ ہو گیا ہے۔ وہ علماء کرام کا بہت احترام کرتے تھے۔ ان کی خدمت میں حاضر ہوتے تھے۔ وہ فقہ کے میدان کے آدمی نہیں تھے، اس کا واضح اعلان بھی کرتے تھے اگرچہ کبھی کبھار خود پر کنٹرول نہ پا کر یا کسی صحافیانہ انداز میں پوچھے گئے سوال کا جواب دے دیتے تھے لیکن وہ حقیقت میں حرکی اسلام کے شدت سے قائل تھے۔ تاریخ اسلام میں ہر تحریکی اور جہادی کردار رکھنے والی شخصیت کے وہ زبردست مداح تھے۔ یہی وجہ تھی کہ آپؒ قبل از تقسیم ہند علماء ہی نہیں مشائخ سے بھی دلی محبت رکھتے تھے اور ان کا ذکر بڑی عقیدت اور دل آویز انداز میں کرتے تھے۔ یہاں تک کہ وہ ایران اور اہل تشیع کی تعریف کرنے میں بھی بخل سے کام نہیں لیتے تھے کہ اہل سنت کی نسبت انہوں نے مغرب کے شر کا زیادہ بہادری اور جرأت سے مقابلہ کیا۔

ڈاکٹر صاحبؒ اس اسلام کے قائل نہیں تھے جسے علامہ اقبال نباتات و جمادات کا مذہب قرار دیتے ہیں۔ علامہ اقبال کا ذکر آیا تو یہ کہنے میں کوئی حرج نہیں کہ ڈاکٹر صاحبؒ عاشقانِ اقبال میں سے تھے لیکن یہ بات واضح رہنی چاہیے کہ دنیوی ہیروز میں ڈاکٹر صاحب کسی کے اندھا دھند ہیرو کا ر نہیں تھے۔ وہ علامہ اقبال کے عشق میں مبتلا تھے لیکن ان کے اس شعر پر انہوں نے علامہ کے حوالے سے بھی تحفظات کا اظہار کیا تھا۔ مثلاً

عمل سے زندگی بنتی ہے جنت بھی جہنم بھی
یہ خاکی اپنی فطرت میں نہ نوری ہے نہ ناری ہے!

لیکن علامہ سے اپنے قلبی تعلق کی وجہ سے علامہ کی مدافعت میں بھی یوں فرمایا کرتے تھے کہ یہ علامہ کے اولین دور کا شعر ہے۔ عجیب بات یہ ہے کہ ڈاکٹر صاحبؒ صاف کہتے تھے کہ میں علامہ کے نام کے ساتھ رحمت اللہ کا لاحقہ نہیں لگاتا۔ راقم کی رائے میں اس کی وضاحت کی ضرورت نہیں۔

ڈاکٹر صاحبؒ کی سیاسی بصیرت کی تو موجودہ نوجوان نسل بھی سوشل میڈیا میں اُن کے کلپس کی وجہ سے قائل ہو گئی ہے۔ آج کے نوجوان کا جو سیاسی شعور اجاگر ہوا ہے اور اسے روایتی اور غیر روایتی سیاست میں فرق سمجھ آیا ہے تو اس کا کریڈٹ ڈاکٹر صاحبؒ ہی کو جاتا ہے۔ روایتی سیاست دانوں میں بھی کچھ زندہ ہیں جنہوں نے ڈاکٹر صاحبؒ کی سیاسی بصیرت کو بھرپور سراہا تھا۔ ڈاکٹر صاحبؒ کی وفات سے چند سال پہلے کا واقعہ ہے کہ مشہور دانشور اور سیاست دان مشاہد حسین سید نے ڈاکٹر صاحبؒ سے ملاقات کی خواہش کا اظہار کیا۔ موصوف طے شدہ وقت پر قرآن اکیڈمی تشریف لائے، ملاقات ہوئی۔ راقم بھی موجود تھا۔ ملاقات کے بعد جب راقم مہمان کو باہر تک چھوڑنے آیا تو مشاہد حسین سید نے الوداعی مصافحہ کرتے ہوئے کہا: ”میں تو اپنی طرف سے ایک مولوی کو ملنے آیا تھا لیکن میں تو اس شخص کے انٹرنیشنل حالات کے حوالے سے وسیع ویژن پر ششدر رہ گیا ہوں۔“ پھر یہ کہتے ہوئے رخصت ہوئے کہ میں دوبارہ آؤں گا اور اپنے بیٹوں کو ساتھ لے کر آؤں گا۔ ظاہر ہے مطلب یہ تھا کہ وہ بھی اس اعلیٰ ظرفی اور ویژن کی اڑان سے مستفید ہوں۔

حقیقت یہ ہے کہ بدقسمتی سے ہمارے ملک میں ایک مدت ہوئی اکثر مذہبی لوگوں کے بارے میں تصور قائم ہو گیا ہے جو ایسا غلط بھی نہیں کہ وہ سیاسی بصیرت سے عاری ہوتے ہیں اور بعض تو لبرلز کے اس پروپیگنڈے کے بری طرح شکار ہو گئے ہیں کہ مذہب کا سیاست سے کوئی تعلق نہیں۔ درحقیقت وہ مغرب کے اس فلسفہ کے قائل ہو گئے ہیں کہ ریاست اور چرچ دو الگ الگ اور بالکل مختلف entities ہیں جن کا اپنا اپنا کام ہے گویا ریاست کا مذہب سے اور مذہب کا ریاست سے کوئی تعلق نہیں۔ دین اسلام عملی طور پر اس تصور کی شدت سے نفی کرتا ہے اور سچی بات یہ ہے کہ یہ تسلیم کیا جائے یا نہ کیا جائے شعوری طور پر نہ سہی غیر شعوری طور پر ہی سہی ہمارے کچھ لوگ بھی اس کے کسی قدر قائل ہو گئے ہیں اس لیے یہ بات منہ سے برجستہ نکل جاتی ہے چھوڑیں جی سیاست کو، اپنا اصل کام کریں حالانکہ مسجد نبوی میں جہاں اُخروی نجات کے حوالے سے صحابہ کرام ﷺ کو بار بار یاد دہانی کرائی جاتی تھی تزکیہ نفس کے لیے مختلف انداز سے کوشش کی جاتی تھی، وہیں قومی ہی نہیں بین الاقوامی معاملات بھی زیر بحث آتے تھے۔ اس پر تجاویز بھی لی جاتی تھیں اور لائحہ عمل بھی تشکیل پاتے تھے۔ گویا سیاسی اور عسکری سطح پر فیصلے ہوتے تھے۔ سورۃ الروم کی یہ آیات اس کا واضح ثبوت ہیں:

”الم۔ رومی مغلوب ہو گئے ہیں۔ نزدیک کی زمین پر اور وہ مغلوب ہونے کے بعد عنقریب غالب آجائیں گے۔ چند سالوں میں۔ اللہ ہی کا اختیار

ہے، پہلے بھی اور بعد میں بھی۔ اور اُس دن اہلِ ایمان خوشیاں منا رہے ہوں گے۔ (وہ خوش ہوں گے) اللہ کی مدد سے۔ وہ مدد کرتا ہے جس کی چاہتا ہے۔ اور وہ زبردست، بہت رحم فرمانے والا ہے۔ یہ اللہ کا وعدہ ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنے وعدے کے خلاف نہیں کرتا لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے۔"

ان آیات کا شانِ نزول علماء کرام یہ بتاتے ہیں کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی اُبی بن خلف نامی ایک کافر سے بحث ہوگئی کہ رومی تین سال کے دوران دوبارہ فتح یاب ہوں گے۔ دونوں میں شرط لگ گئی کہ اگر رومی تین سال میں دوبارہ فتح یاب ہو گئے۔ تو کافر آپؓ کو دس اونٹ دے گا ورنہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اُس کافر کو دس اونٹ دیں گے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے علم میں یہ بات آئی تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ: ''مدت تین سال کی بجائے دس سال کر لو اور اونٹوں کی تعداد سو کر لو۔'' یاد رہے اُس وقت تک شرط حرام قرار نہیں دی گئی تھی۔

قصہ مختصر عرض کرنا یہ مقصود تھا کہ مدینہ میں کس طرح سیاسی مباحث ہوتے تھے اور مسلمان اور کافر کتنی سرگرمی اور دلچسپی سے سیاسی مباحث میں حصہ لیتے تھے اور اسی بنیاد پر عسکری سطح پر بھی فیصلے ہوتے تھے۔ گویا حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے جتنی بھی بے شمار اور قابلِ قدر کوششیں کیں اُس کا پھل یعنی کفار کو شکست اور اُن کے علاقوں پر قبضہ (جس کی تفصیل یہاں بیان ہی نہیں کی جا سکتی) سیاسی اور عسکری کامیابی کی صورت میں نکلا۔ گویا سیاست اور عسکریت کامیابی کی کلید ثابت ہوئی۔ اگرچہ یہ ناقابلِ تردید حقیقت ہے کہ مسجد نبوی کی تعلیم و تربیت اور تزکیہ نفس کی شعوری محنت اس کامیابی و کامرانی کی جڑ اور بنیاد تھی گویا یہ کُل کے دو ایسے اجزا تھے جنہیں الگ الگ نہیں کیا جا سکتا۔ چنانچہ جب یہ کہا جاتا ہے کہ سیاست چھوڑیں اور اصل کام کی طرف آئیں تو ہم اسلام کی ایک مضبوط بنیاد سے انحراف کرتے ہیں۔ مسلمان کا صحیح اور حقیقی ہیولیٰ ہی جب بنتا ہے اگر وہ رات کا راہب اور دن کا شاہسوار ہو۔ اسلام جو خلفائے راشدین ہی کے دور میں لاکھوں مربع میل میں پھیل گیا تھا وہ تزکیہ نفس سے جلا پا کر اور تیغ بکف ہونے سے ممکن ہوا تھا۔

قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ صاف طور پر واضح کرتا ہے کہ اُس کے نزدیک تو اسلام ہی دین ہے یعنی باقی سب ادیان کی نفی ہوتی ہے تو سیدھی سی بات ہے کہ باقی سب کی نفی کرنے کے لیے آپ کو میدان میں نکلنا پڑے گا جو سیاسی سوجھ بوجھ اور عسکری مہارت کے بغیر ممکن نہیں لیکن آج کے دور میں ٹینکوں اور ایٹم بموں کی موجودگی میں چونکہ جنگ انفرادی اور جماعتی مسئلہ رہا ہی نہیں بلکہ یہ خالصتاً ریاستی مسئلہ ہو گیا ہے لہٰذا عسکریت تو مسئلہ پیدا کرے گی اور کر رہی ہے لہٰذا سیاسی بصیرت اور فہم کا کام دوگنا ہو گیا، کیونکہ اسے یہ خلا بھی پُر کرنا ہوگا۔ نتیجتاً اگر کوئی گروہ یا جماعت سیاست سے لاتعلق رہتی ہے یا اُسے بنیادی اہمیت نہیں دیتی تو وہ تعداد کے لحاظ سے کتنی ہی بڑی کیوں نہ ہو جائے اُس کی معاشرے اور ملکی سطح پر کوئی اہمیت نہیں بن سکے گی۔ بین الاقوامی سطح پر تو کسی شناخت کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔ ڈاکٹر اسرار احمدؒ کے الفاظ میں اگر راقم بیان کرے تو وہ یوں ہے جیسے کوئی آکاس بیل جو زمین پر تو پھیلتی چلی جائے لیکن کھڑا ہونے کی صلاحیت نہ رکھے۔ تبلیغی جماعت سے لاکھوں لوگ کسی نہ کسی انداز میں منسلک ہیں لیکن عوامی اور مذہبی سطح وغیرہ پر لوگ واہ واہ کہہ کر اور بہت اچھے لوگ ہیں جی، کہہ کر آگے گزر جاتے ہیں۔ ریاست میں قوت نافذہ رکھنے والی قوتیں انہیں کوئی اہمیت نہیں دیتیں۔ ملکی اور بین الاقوامی سطح پر اُن کی آواز نہیں ہوتی۔ اس لیے کہ انہوں نے اسلام کے سیاسی پہلو سے پہلوتہی اختیار کی ہوئی ہے۔

درحقیقت برصغیر پاک و ہند ایک طویل عرصہ تک مغرب کا غلام رہا۔ مغربی آقاؤں نے باقاعدہ محنت اور جدوجہد سے دو کام کیے۔ ایک تو مسلمانوں کے ذہن میں جہاد کا معاملہ گڈمڈ کر دیا۔ اس حوالے سے بھی اُنہیں ایک نام نہاد مذہبی شخصیت مرزا غلام احمد مل گئی۔ جس لعین اور احمق شخص نے نبوت کا جھوٹا دعویٰ کرکے اور قادیانیت کی بنیاد رکھ کر مسلمانوں کی پیٹھ میں چھرا گھونپا۔ پھر سرسید احمد خان تھے جو اپنے تئیں تو یقیناً ایک مخلص مسلمان تھے اور انہوں نے اپنی طرف سے قومی سطح پر مسلمانوں کی بہتری کے لیے کام کیا اور مسلمانوں کو جدید تعلیم کی طرف راغب کیا۔ لیکن مذہبی معاملات میں ٹانگ اڑا کر اسلام کی جڑوں پر حملہ آور ہوئے۔ دوسری طرف 1857ء کی جنگ آزادی میں مسلمانوں کی شکست نے مسلمانوں کو دو حصوں میں تقسیم کر دیا۔ کچھ نے غیروں کے خلاف جہاد کا راستہ اپنایا اور ہتھیار اٹھا کر ہندوستان سے غیر مسلمان حکمرانوں کے خلاف جدوجہد شروع کر دی اور ایک طبقہ نے دینی مدارس قائم کرکے قال اللہ و قال رسول اللہ کی تعلیمات دینا شروع کر دیں اور خود کو غیر ملکی حکمرانوں کے قہر سے محفوظ کر لیا۔ وہ چونکہ حکمرانوں کے لیے کسی طور پر بھی فوری خطرہ نہ تھے لہٰذا حکمرانوں نے اُن کے راستے میں روڑے نہ اٹکائے، یہ نسبتاً محفوظ راستہ تھا۔ مسلمانوں کی اکثریت اس طرف متوجہ ہو گئی۔ اس حوالے سے یہ اعتراف کرنا لازم ہوگا کہ اس طبقہ نے مسلمان کا اپنے عقائد اور شریعت سے تعلق بحال رکھا۔ ورنہ مسلمان شرعی احکامات سے بالکل بے بہرہ ہو جاتے اس کے باوجود خوشگوار بات یہ ہے کہ تقسیم ہند سے پہلے ان مدارس نے جہاں علماء کرام کی کھیپ تیار کی وہاں کئی مجاہد بھی پیدا کیے لیکن بدقسمتی سے بعد از تقسیم یہ ادارے یا تو مولویت بڑھانے کے باعث بنے اور مسلکی لڑائیوں میں مصروف ہو گئے یا انتخابی کھیل میں شامل ہو کر اقتدار کی رسہ کشی کا حصہ بن گئے اور اسلام کو اپنے سیاسی کیریئر کے لیے استعمال کرنے لگے۔

ڈاکٹر صاحبؒ کا تصور یہ تھا کہ جدید تعلیم یافتہ لوگوں کو مذہبی تعلیم سے مزین کیا جائے اور وہ شریعت کے دائرے میں رہتے ہوئے اور جدید دور کے تقاضوں کو سمجھتے ہوئے عوام کے سامنے دین کو پیش کر سکیں۔ وہ مغرب کو اور اپنے دیسی لبرلز کو اُن کی زبان میں جواب دے سکیں۔ وہ موجودہ مذہبی لوگوں کی طرح صرف کسی محدود دائرے میں نہ گھومتے رہیں بلکہ ذہنی وسعت رکھتے ہوئے ہر نئی شے کو دینی بنیادوں پر پرکھنے اور فیصلہ کرنے کی صلاحیت رکھتے ہوں۔ اس کا ہرگز یہ مطلب نہیں کہ ڈاکٹر صاحبؒ خدانخواستہ مذہب میں نئی اختراع پیدا کرنے کے قائل تھے، بلکہ وہ اسلام کو قرآن، حدیث، اہلِ سنت کے ائمہ اربعہ اور اجماعِ امت کی حدود کے اندر آزادی کے قائل تھے۔ حقیقت میں ڈاکٹر صاحبؒ پاکستان میں نظام کی مکمل تبدیلی کے قائل تھے۔ اُن کی خواہش تھی کہ خالصتاً قرآن اور سنت کی بنیاد پر ایک نظام قائم ہو جسے جدید تعلیم سے آراستہ دینی علوم کے حامل لوگ نئی بنیادوں پر استوار کریں۔

❀❀❀

مہم بسلسلہ ''اتحادِ اُمت اور پاکستان کی سالمیت''

تنظیم اسلامی کا پیغام
خلافتِ راشدہ کا نظام

بانی تنظیم: ڈاکٹر اسرار احمدؒ
امیر تنظیم: شجاع الدین شیخ

اللہ کی رسی (قرآن) کو مل جل کر مضبوطی سے تھام لو اور تفرقہ میں نہ پڑو۔
(سورۃ آل عمران: آیت 103)

تنظیم اسلامی
www.tanzeem.org

اتحادِ اُمت کے تصور کو دوبارہ اُجاگر کرنے کے لیے ضروری ہے کہ نیشن سٹیٹس کے تصور کی نفی کی جائے: خورشید انجم

اتحاد کے بغیر دنیا کے پونے 2 ارب مسلمان اور 57 مسلم ممالک محض راکھ کا ڈھیر ہیں: ڈاکٹر فرید احمد پراچہ

ہر مسلم ملک اپنی ڈیڑھ اینٹ کی مسجد کے میناروں کو اونچا کرنے کی بجائے اُمت کے اجتماعی مفاد کو بالا سمجھے تو اتحادِ اُمت ممکن ہے: ڈاکٹر عارف صدیقی

تنظیم اسلامی کے زیراہتمام ''اتحادِ اُمت اور پاکستان کی سالمیت'' مہم

پروگرام ''زمانہ گواہ ہے'' میں معروف تجزیہ نگاروں اور دانشوروں کا اظہارِ خیال

میزبان: وسیم احمد باجوہ

سوال: تنظیم اسلامی ''اتحادِ اُمت اور پاکستان کی سالمیت'' کے عنوان سے ایک مہم کا آغاز کر رہی ہے۔ اتحاد اس وقت پوری دنیا کے مسلمانوں کی ضرورت ہے۔ بالخصوص اسرائیلی مظالم کے خلاف سب کو متحد ہونے کی ضرورت ہے۔ آپ کی کیا رائے ہے؟

ڈاکٹر فرید احمد پراچہ: اتحاد کے بغیر تو اُمت کا تصور ممکن ہی نہیں۔ جیسا کہ فرمایا:

﴿اِنَّ هٰذِهٖٓ اُمَّتُكُمْ اُمَّةً وَّاحِدَةً﴾ (الانبیاء:92)

''یقیناً یہ تمہاری اُمت ایک ہی اُمت ہے''

یہ اُمت، اُمتِ واحدہ اسی صورت میں بن سکتی ہے جب اس میں اتحاد ہوگا۔ اُمت کے اتحاد کی ضرورت ویسے تو ہر دور میں رہی ہے لیکن موجودہ دور میں جبکہ پورا عالم کفر الکفر ملة واحدة کی شکل اختیار کر چکا ہے، اس صورت میں اُمت کے اتحاد کی ضرورت زیادہ محسوس ہو رہی ہے۔ قرآن پاک میں کہا گیا:

﴿وَلَا تَنَازَعُوْا فَتَفْشَلُوْا وَتَذْهَبَ رِيْحُكُمْ﴾ (الانفال:46) ''اور آپس میں جھگڑا نہ کرو ورنہ تم ڈھیلے پڑ جاؤ گے اور تمہاری ہوا اُکھڑ جائے گی۔''

آج ہماری ہوا اسی وجہ سے اُکھڑ گئی ہے کہ ہم متحد نہیں رہے۔ اس وقت دنیا میں پونے دو ارب مسلمان اور 57 مسلم ممالک ہیں جن میں پاکستان جیسی دنیا کی ساتویں ایٹمی طاقت بھی شامل ہے۔ پھر ان میں بہت سے دولت مند مسلم ممالک بھی شامل ہیں، ہر طرح کے وسائل اُمت کو میسر ہیں لیکن اس سب کے باوجود آج پوری دنیا میں اُمت کو مار پڑ رہی ہے۔ دشمن تو تیں مسلم ممالک پر یلغار کر کے تباہی مچا رہی ہیں، غزہ کو کھنڈر بنا دیا گیا ہے لیکن 57 مسلم ممالک کے حکمران صرف زبانی جمع خرچ سے زیادہ کچھ نہیں کر رہے۔ اس لیے دشمن یہ سمجھ چکے ہیں کہ پونے دو ارب مسلمان صرف راکھ کا ڈھیر ہیں۔ مسلم ممالک قراردادیں پاس کرنے، مذمت کرنے اور عوام ریلیاں نکالنے تک محدود ہیں۔ ان کی عسکری قوت صرف فوجی پریڈ کرنے اور مخصوص دنوں کو مارچ پاسٹ کرنے کے سوا کچھ نہیں کر رہی۔ اندازہ کیجئے کہ غزہ میں بچے بھوک سے مر رہے ہیں، خوراک اور ادویات نہیں ہیں، امدادی سامان کے ٹرک اسرائیل نے روک رکھے ہیں، اور اس دوران مسلسل بمباری کر کے غزہ کے مسلمانوں کو شہید کیا جا رہا ہے اور غزہ کو کھنڈر بنایا جا رہا ہے۔ رمضان بھی آیا، عیدین بھی آئیں، لیکن 57 مسلم ممالک ایک دن کے لیے بھی جنگ بندی نہیں کروا سکے۔ اسرائیل کے خلاف عالمی

مرتب: محمد رفیق چودھری

عدالت میں بھی اگر کوئی ملک گیا ہے تو وہ ایک غیر مسلم ملک (جنوبی افریقہ) گیا۔ کوئی مسلم ملک عالمی عدالت میں بھی نہیں جا سکا۔ آج ہماری یہ بے بسی اتحاد نہ ہونے کی وجہ سے ہے۔ ایک چھوٹا سا ملک اسرائیل آج 57 مسلم ممالک کو سرِ عام چیلنج کر رہا ہے، کبھی وہ یمن پر حملہ کرتا ہے، کبھی شام پر، کبھی لبنان پر، کبھی ایران پر اور اعلانیہ کہہ رہا ہے ایران کے بعد پاکستان کی باری آئے گی۔ کیا 57 مسلم ممالک ایک ایک کر کے برباد ہونے کا انتظار کر رہے ہیں؟ ٹھیک ہے ایران نے جواب دیا لیکن یہی جواب اگر پوری اُمت مسلمہ کی جانب سے ہوتا تو اسرائیل کی آئندہ کسی مسلم ملک پر چڑھائی کرنے کی جرأت نہ ہوتی۔ ایران کے بعد پاکستان کی باری آسکتی ہے۔ لہٰذا اس وقت اُمت کو اتحاد کی جتنی ضرورت ہے اس سے پہلے کبھی نہ تھی۔ ہمیں سقوطِ بغداد، سقوطِ غرناطہ و قرطبہ سے سبق سیکھنا چاہیے۔

سوال: ان حالات میں آپ کیا سمجھتے ہیں کہ اگر کچھ ممالک کا اتحاد بن جائے تو کچھ بہتر نتائج حاصل ہو سکتے ہیں؟ خاص طور پر کن مسلم ممالک کا اتحاد ممکن ہے اور کیا وہ فوری بننا چاہیے؟

ڈاکٹر محمد عارف صدیقی: اُمت کے اندر اتحاد کا جذبہ بیدار ہو رہا ہے۔ جب پاکستان اور بھارت کے درمیان معرکہ ہوا تو معلوم ہوا کہ ترکیہ ہمارے ساتھ کھڑا ہے، بنگلہ دیش ہمارے ساتھ کھڑا ہے، بنگلہ دیشی آرمی چیف نے وزٹ بھی کیا۔ آذربائیجان نے اخلاقی مدد کی۔ اس کے بعد جب ایران پر اسرائیل نے حملہ کیا تو پاکستان نے ہر لحاظ سے ایران کی مدد کی۔ ایرانی پارلیمنٹ میں اس کا اعتراف کیا گیا۔ ابھی خبریں آ رہی ہیں کہ ایرانی صدر بھی پاکستان کے دورے پر آ رہے ہیں۔ اس کا مطلب ہے کہ اُمت کے اندر اتحاد کی فضا ہموار ہونا شروع ہو چکی ہے۔ اس سے پہلے اگر آپ دیکھیں تو سعودیہ نے بھی ایران کے بارے میں اپنے نظریات کو کچھ بدلا ہے۔ افغانستان کے پاس دنیا کی سب سے تجربہ کار گوریلا فورس ہے جو گزشتہ چار نسلوں سے گوریلا جنگ لڑ رہی ہے۔ پاکستان کے پاس ایٹمی قوت اور میزائل ٹیکنالوجی ہے۔ ترکیہ کے پاس ڈرون ٹیکنالوجی ہے۔ ملائشیا کا اکنامک ویژن ہے۔ انڈونیشیا بحری راستوں کے حوالے سے اہم ہے۔ لیکن ان سب نے اپنی اپنی ڈیڑھ اینٹ کی مسجد بنا رکھی ہے۔ اس کی بجائے اگر ہر مسلم ملک اپنی صلاحیت کو اُمت کے لیے وقف کرے، مثلاً پاکستان کے ایٹمی اثاثے اُمت کے اثاثے قرار دیے جائیں۔ ایران کی میزائل ٹیکنالوجی کو اُمت کا اثاثہ قرار دیا جائے۔ اسی طرح ترکیہ کی ڈرون ٹیکنالوجی، افغانستان کی گوریلا فورس، عرب ممالک کے معدنی وسائل کو اُمت کے اثاثہ جات قرار دیا جائے۔ پاکستان کے پاس ریکوڈک کے ذخائر ہیں، ہم بولی لگاتے ہیں اور امریکہ و کینیڈا جیسے ممالک کو بلاتے

ہیں، بجائے اس کے اگر مسلم ممالک کے امیرزادوں کو بلایا جائے تو اتحاد کی یہ فضا مزید ہموار ہو سکتی ہے۔ اب ہمیں دفاعی حکمت عملی سے آگے بڑھ کر جارحانہ حکمت عملی اختیار کرنا ہوگی۔ ہم اگر اوپن اتحاد نہیں بنا سکتے، خفیہ اتحاد تو بنا سکتے ہیں۔ کیا عالم کفر کے خفیہ اتحاد ہمارے خلاف نہیں ہیں؟ اگر ہمارے کچھ ممالک دوسرے مسلم ممالک میں اپنی پروکسیز اس لیے بناتے ہیں تاکہ وہاں اپنے مسلک، فرقہ، علاقائی بالادستی، گریٹر ویژن کو پروموٹ کریں تو کیا یہ پروکسیز اسرائیل اور انڈیا کے خلاف نہیں بن سکتیں؟ مگر شرط یہ ہے کہ ہم اپنی ذیڑھ انچ کی مسجد کے میناروں کو اونچا کرنے کی بجائے اُمت کے مفاد کو ترجیح دیں۔

سوال: مسلم ممالک کے درمیان اتحاد قائم نہ ہونے کی کئی وجوہات ہیں مگر ان میں سب سے بڑی وجہ فرقہ واریت ہے جبکہ دوسری طرف عالم کفر اپنے تمام تر اختلافات کے باوجود متحد ہے۔ ہم فرقہ واریت سے کس طرح نجات حاصل کر سکتے ہیں تاکہ اُمت میں اتحاد قائم ہو؟

خورشید انجم: سب سے بڑی فرقہ واریت نیشن سٹیٹس کا تصور ہے۔ جب تک یہ نہیں تھا تو ہم اُمت واحدہ کی صورت میں تھے اور پوری دنیا پر ہمارا غلبہ تھا۔ اس وقت مغرب ڈارک ایجز میں سو رہا تھا۔ پھر ہماری بغداد اور غرناطہ کی یونیورسٹیوں سے پڑھ کر لوگ گئے اور یورپ میں رینائسنس اور ریفارمیشن کی تحریکیں چلیں، اس کے نتیجہ میں یورپ جاگا۔ لیکن اس کے باوجود بھی جب تک خلافت قائم رہی، نہ تو فلسطین پر یہودی قبضہ کر سکے اور نہ ہی کوئی مغربی ملک توہین رسالت ﷺ کی جرأت کر سکا۔ اسلام دشمن قوتوں کو معلوم تھا کہ جب تک خلافت کا نظام قائم رہے گا وہ اپنے مقاصد میں کامیاب نہیں ہو سکیں گی۔ لہٰذا انہوں نے عربوں کو جھانسہ دیا اور خلافت عثمانیہ کے خلاف کھڑا کیا۔ نتیجہ میں اُمت مسلمہ ٹکڑے ٹکڑے ہوگئی اور اس کے بعد استعماری قوتوں نے ایک لانگ ٹرم پالیسی بنائی کہ مسلمانوں کو متحد نہ ہونے دیا جائے۔ اس کے لیے نیشن سٹیٹس کا تصور دیا گیا۔ جس طرح ہمارے ہاں "سب سے پہلے پاکستان" کا نعرہ لگتا رہا، اسی طرح دوسرے مسلم ممالک بھی صرف اپنے ملکی مفادات کو ترجیح دیتے ہیں اور اس وجہ سے اُمت کا اجتماعی مفاد پس پشت ڈال دیا گیا۔ لہٰذا اتحادِ اُمت کے تصور کو دوبارہ اُجاگر کرنے کے لیے ضروری ہے کہ نیشن سٹیٹس کے تصور کی نفی کی جائے۔ نیشن سٹیٹس کے تصور کی وجہ سے ہر ملک اپنے مفاد سے آگے بڑھ کر سوچنے کے لیے تیار نہیں۔ اسی وجہ سے OIC، عرب لیگ جیسے عالمی ادارے بھی مذاق بن کر رہ گئے ہیں۔ اگر اپنے ملکی مفاد سے آگے بڑھ کر سوچیں گے تو پھر نیٹو کی طرز پر عسکری اتحاد بھی بن سکتے ہیں۔ پھر یہ کہ اُمت کے اتحاد کی سب سے بڑی بنیاد قرآن مجید تھا جس کو ہم نے چھوڑ دیا ہے اور فرقوں میں بٹ گئے ہیں۔ اگر ہم قرآن کو تھام لیں گے تو دوبارہ اُمت واحدہ بن سکتے ہیں۔ اس کے بعد نفاذ دین کی جدوجہد ہمیں متحد کر سکتی ہے۔ پہلے خلافت کی بنیاد پر ہم اکٹھے تھے، کیونکہ ہمارے پاس ایک مرکز تھا، لیکن اب کسی کا قبلہ واشنگٹن کی جانب ہے، کسی کا ماسکو، کسی کا بیجنگ اور کسی کا لندن کی طرف ہے۔ اگر خلافت کا ادارہ قائم ہوگا تو ہم سب کے قبلے کا رُخ کعبہ کی جانب ہو جائے گا اور ہم متحد ہو جائیں گے۔

> **اُمت کو سقوط بغداد، سقوط غرناطہ، سقوط قرطبہ سے سبق سیکھنا چاہیے اور ایک ایک کر کے تباہ ہونے کی بجائے متحد ہو کر مقابلہ کرنا چاہیے۔**

سوال: پاکستان کی سالمیت کو اس وقت شدید خطرات لاحق ہیں، امریکہ، اسرائیل اور بھارت کا شیطانی اتحاد ثلاثہ چاروں جانب سے پاکستان کو گھیرنے کوشش کر رہا ہے، مشرقی اور مغربی دونوں بارڈرز سے پاکستان کو خطرہ لاحق ہے۔ پاکستان کی سالمیت کو برقرار رکھنے کے لیے ہمیں کیا کرنا ہوگا؟

ڈاکٹر فرید احمد پراچہ: پاکستان کی سالمیت کے خلاف جتنے بڑے پیمانے پر اس وقت ایک کھلم کھلا یلغار ہو رہی ہے تو سب سے پہلے ہمیں اس کو سمجھنا چاہیے۔ امریکہ، اسرائیل اور بھارت کی طرف سے تو ایک اعلان جنگ ہے اور پوری واردات ہو رہی ہے۔ ان کا ہدف پاکستان کا ایٹمی پروگرام بھی ہے، نظریہ بھی ہے، سالمیت اور بقاء بھی ہے۔ لہٰذا پاکستان کو ایک طرف جغرافیائی دہشت گردی کا سامنا ہے اور دوسری جانب نظریاتی دہشت گردی کا بھی سامنا ہے۔ نبی کریم ﷺ کی ناموس سے متعلق جو قوانین ہیں وہ بھی اس یلغار کی زد میں ہیں اور اس یلغار کے لیے سوشل میڈیا کا راستہ بھی استعمال کیا جا رہا ہے اور عدلیہ کا راستہ بھی استعمال کیا جا رہا ہے۔ جغرافیائی دہشت گردی کے لحاظ سے بلوچستان اور خیبر پختونخوا میں مسئلہ ہے، سرحدیں محفوظ نہیں ہیں۔ ان حالات میں ایک تو ہمیں اپنے ملک کے اندر اتحاد کی فضا کو قائم کرنا چاہیے۔ دوسرا جو ہمارے ریاستی اور حکومتی ادارے ہیں ان کو آئینی حدود کے اندر رہتے ہوئے ملک کی جغرافیائی سالمیت کا دفاع کرنا چاہیے۔ یہ ایسے اقدام نہ کریں، ایسی قانون سازیں نہ کروائیں، عدالتیں ایسے فیصلے نہ کریں کہ عوام میں مایوسی پیدا ہو یا ادارہ جاتی تصادم کی راہ ہموار ہو اور دشمن اس سے فائدہ اُٹھائیں۔ اسی طرح ہمارے حکمرانوں کو امریکہ اور IMF پر انحصار ختم کرنا ہوگا اور اس کے لیے اپنے شاہانہ اخراجات کو ختم کرنے کی ضرورت ہے۔ یہ ملک کی سالمیت کے لیے انتہائی ضروری ہے۔ اگر برطانیہ میں حکومت کے پاس صرف 80 سرکاری گاڑیاں ہیں اور ہماری حکومت کے پاس صرف وفاق میں 1 لاکھ سرکاری گاڑیاں ہیں اور ان کے پٹرول اور دیگر اخراجات اس کے علاوہ ہیں تو اس سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ قومی خزانے کو کتنا نقصان پہنچایا جا رہا ہے اور اس وجہ سے جب ملک دیوالیہ ہونے کے قریب ہوتا ہے تو ہم کاسہ لے کر بھیک مانگتے پھرتے ہیں اور پھر IMF جیسے ادارے ہم سے اپنی من مانی شرائط منواتے ہیں جن پر عمل درآمد کے نتیجے میں ملک مزید تباہی اور نظریاتی انتشار کی طرف جاتا ہے۔ معلوم ہوا کہ ملکی سالمیت کے لیے ایک بڑا خطرہ ہمارے حکمرانوں اور اشرافیہ کا شاہانہ طرز زندگی بھی ہے۔ اسی طرح سودی نظام بھی ملکی سالمیت کے لیے بڑا خطرہ ہے۔ وفاقی شرعی عدالت نے فیصلہ جاری کیا تھا کہ 31 دسمبر 2027ء تک پاکستان نے اپنے معاشی نظام کو نہ صرف سود سے مکمل طور پر پاک کرنا ہے بلکہ ملکی معیشت کو اسلامی خطوط پر استوار کرنا ہے۔ لیکن حکومت کی جانب سے ابھی تک کوئی اقدام نہیں کیا گیا، بجائے اس کے حکومت شرح سود بڑھا دیتی ہے۔ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے ساتھ جنگ جاری رکھ کر ہم ملکی سالمیت اور بقاء کو ممکن نہیں بنا سکتے۔ اسی طرح اسلامی نظام کے نفاذ کے لیے، شاہانہ اخراجات کو کم کرنے کے لیے، کرپشن کو سزا دینے کے لیے اگر ہماری حکومت تیار نہیں ہے تو پھر ملکی سالمیت اور بقاء محض ایک خواب ہے۔

سوال: پاکستان کی سالمیت، ترقی اور خوشحالی کے لیے ضروری ہے کہ فرقہ واریت اور انتہا پسندی کا خاتمہ ہو مگر یہ کیسے ممکن ہو سکتا ہے، آپ حکومت کو اس حوالے سے کیا تجاویز دیں گے؟

ڈاکٹر محمد عارف صدیقی: ہمارے چیلنجز داخلی بھی ہیں، معاشی بھی ہیں اور خارجی بھی ہیں۔ ان سب

کو حل کیا جائے گا تو یقینی طور پر ہم ایک طاقتور ملک بن کر اُبھریں گے۔ اگر ہم چاہتے ہیں کہ بحیثیت ایٹمی قوت اُمت مسلمہ کو لیڈ کریں اور باقی مسلم ممالک ہماری قیادت میں کھڑے ہوں تو سب سے پہلے ہمیں اپنے آپ کو معاشی اور سیاسی طور پر مضبوط کرنا ہوگا اور اس کے ساتھ ساتھ اس ڈاکٹرائن کو بھی بدلنا ہوگا کہ ہماری ایٹمی قوت صرف ہمارے ملکی دفاع کے لیے ہے، یہ دفاع کس طرح کا ہے جب پوری دنیا کے مسلمان کٹ مریں۔ اسرائیل نے دھمکی دی ہے کہ ایران کے بعد اگلی باری پاکستان کی ہے تو کیا آپ اُس کا انتظار کریں گے؟ اسی طرح ہماری معاشی بدحالی کی وجہ سے دشمن کی شرائط مان کر ہماری ریاست فسطائیت کی طرف بڑھ رہی ہے، اداروں کے درمیان تصادم بڑھ رہا ہے۔ ہمارے ازلی دشمن بھارت کے ساتھ تمام کفریہ طاقتیں اتحاد کر رہی ہیں۔ IMF اور ورلڈ بینک کے قرضوں کے بوجھ تلے رہتے ہوئے ہم اپنی خود مختاری کو بحال نہیں رکھ سکتے، ہم اتحادِ اُمت کی طرف نہیں بڑھ سکتے۔ دفاع سے آگے بڑھ کر جارحانہ پالیسی اپنانے کے لیے ہمیں سب سے پہلے قرضوں کے بوجھ سے نجات حاصل کرنا ہوگی اور اس کے بعد ہی ممکن ہے کہ ہم اُمت کے اتحاد کی بات کر سکیں، اس کے بعد ہی آپ امریکہ کو اس خطہ سے دیس نکالا دے سکتے ہیں اور اس کے بعد ہی ہمارے ملک میں استحکام آئے گا۔

سوال: بانی تنظیم اسلامی ڈاکٹر اسرار احمدؒ فرمایا کرتے تھے کہ پاکستان اسلام کے نام پر معرضِ وجود میں آیا اور اس کی سالمیت اور بقاء نفاذِ اسلام میں ہے۔ اس وقت نفاذِ اسلام کی کس قدر ضرورت اور اہمیت ہے؟

خورشید انجم: یہ ڈاکٹر اسرار احمدؒ کا خواب نہیں تھا بلکہ بانیانِ پاکستان علامہ محمد اقبال اور قائداعظم کا بھی خواب تھا۔ قائداعظم کی 100 سے زائد تقاریر میں اس مقصد کو بیان کیا گیا ہے۔ پھر قراردادِ مقاصد اسی تناظر میں پاس کی گئی۔ مولانا سید مودودیؒ کا بھی یہی تجزیہ تھا۔ پاکستان تو بنا ہی اسلام کی بنیاد پر ہے۔ ورنہ کوئی نسلی، لسانی، علاقائی یا تاریخی عنصر نہیں تھا جو ہمیں ایک قوم بناتا۔ باقی تمام مسلم ممالک نسلی، لسانی یا جغرافیائی بنیادوں پر وجود میں آئے لیکن پاکستان واحد ملک ہے جو کلمے کی بنیاد پر بنا ہے۔ ہمارے پاس کوئی دوسری اساس ہی نہیں تھی۔ لہٰذا جو پاکستان کی وجہِ قیام ہے وہی وجہِ بقاء بھی ہے۔ ورنہ پاکستان اپنا جواز کھو بیٹھے گا۔ کل بھارتی مسلمان پوچھے گا کہ تم یہاں بھی نماز روزہ کا اہتمام کر سکتے تھے، یہاں بھی مساجد اور مدارس ہیں پھر تاریخِ انسانی کی اتنی بڑی قربانیاں تم نے کس لیے دی تھیں؟ کیوں اتنا لہو بہایا، اتنے سہاگ اُجاڑے گئے، اتنے بچے یتیم ہو گئے تو ہمارے پاس کوئی جواب نہیں ہوگا۔ لہٰذا پاکستان کا جواز صرف اور صرف نفاذِ اسلام پر منحصر ہے۔ پاکستان اسی بڑے مقصد کے لیے حاصل کیا گیا تھا، وہ مقصد علامہ اقبال کے الفاظ میں یہ تھا کہ دورِ ملوکیت میں اسلام کے چہرے پر جو بدنما داغ پڑ گئے ہیں ان کو صاف کر کے اسلام کا روشن چہرہ دنیا کو دکھا سکیں اور قائداعظم کے الفاظ میں اسلام کا نظامِ حریت، اخوت و مساوات قائم کر سکیں۔ اگر

اٹیلی جنس آپریشنز کی برتری کو سیاسی مفادات کے لیے استعمال کرنے کی بجائے پوری دنیا میں پاکستان کا اور اسلام کا نام بلند کرنے کے لیے استعمال کیا جائے تو یقینی طور پر ہم اُمت مسلمہ کو لیڈ کر رہے ہوں گے۔

اس مقصد کے حصول کی جدوجہد نہیں ہوگی تو اس ملک کے وجود کی وجہِ جواز ہی باقی نہیں رہتی۔ لہٰذا اگر ہم چاہتے ہیں کہ پاکستان میں استحکام آئے، قومی یکجہتی اور ہم آہنگی قائم ہو تو ہمیں اسلام کی طرف بڑھنا ہوگا۔ صرف اسی صورت میں ہماری اُخروی نجات بھی ممکن ہوگی۔

سوال: پاکستان کی سالمیت اور بقاء کے لیے سیاسی، مذہبی اور معاشی طور پر مستحکم ہونا کتنا ضروری ہے؟

ڈاکٹر فرید احمد پراچہ: پاکستان کی بقاء اور سالمیت کا انحصار ہی اس نظریہ پر ہے کہ پاکستان کا مطلب کیا لا الٰہ الا اللہ۔ ہمارے سیاسی اور معاشی استحکام کا انحصار بھی اسی نظریہ کے نفاذ پر ہے۔ اس نظریہ کے نفاذ کی صورت میں جب ہم معاشی طور پر مضبوط ہوں گے تو IMF اور ورلڈ بینک سے نجات حاصل ہو جائے گی اور ہمارے ملک میں نظریاتی اور سیاسی استحکام بھی آئے گا۔ بصورتِ دیگر ہماری سیاست، معیشت، معاشرت، میڈیا، ادارے، کچھ بھی آزاد نہیں ہوگا۔ آج ہماری انڈسٹری ٹھپ ہو چکی ہے، زراعت کو بھی ہم نے ختم کر دیا ہے حالانکہ ہماری اقتصادیات کی ریڑھ کی ہڈی زراعت تھی۔ ہم نے ایکسپورٹس بڑھانے کی بجائے امریکہ، چائنہ اور بھارت کی منڈی بننے کا فیصلہ کیا۔ ہم کارخانہ دار، کسان کو سبسڈی دینے کو تیار نہیں ہیں، ان کو سستی بجلی اور سستا بیج دینے کے لیے تیار نہیں۔ ہم نے ٹماٹر اور پیاز بھی باہر سے منگوائے ہیں، ہمارے مل مالکان ایک مافیا کی صورت میں کسان کا استحصال کرنے کے لیے اکٹھے ہو جاتے ہیں، ذخیرہ اندوزی کرنے کے لیے اکٹھے ہو جاتے ہیں، اب چینی کا مصنوعی بحران پیدا کر کے چینی امپورٹ کریں گے اور نومبر میں جب گنے کی فصل تیار ہوگی تو کسان گنے کو اُدھار پر اور سستے داموں بیچنے پر مجبور ہوں گے۔ یہ سارے مظالم تب ختم ہوں گے جب ہم یہاں اسلام کے نظامِ عدلِ اجتماعی کو نافذ کریں گے۔

سوال: پاکستان کو جو اہم ترین داخلی اور خارجی چیلنجز درپیش ہیں ان کا مقابلہ کرنے کے لیے آپ حکومت پاکستان کو اور ہمارے مقتدر لوگوں کو کیا تجاویز دیں گے؟

ڈاکٹر محمد عارف صدیقی: سب سے پہلے تو عسکری اور دفاعی قوت میں اضافہ انتہائی ضروری ہے۔ حالیہ پاک بھارت معرکہ میں اس کی ضرورت اور اہمیت کا ہمیں اندازہ ہو گیا۔ اگر ہمیں خارجی خطرات سے نمٹنا ہے تو جدید ٹیکنالوجی اور سائبر وار کو ہمیں سمجھنا ہوگا۔ اس کے بعد جوہری ڈیفنس کو مسلم جوہری ڈیفنس قرار دیا جائے۔ جس طرح ہر ملک کی ایجنسیاں ہوتی ہیں جو بیرون ملک جا کر کام کرتی ہیں، یہاں بھی بلیک واٹر کام کر رہی تھی، ایسے ادارے بنا کر دنیا بھر میں جہاں بھی پاکستان یا اُمت کے خلاف منصوبے بنتے ہیں اُن سے آہنی ہاتھوں سے نمٹا جائے۔ آپ کے پاس سائبر مانیٹرنگ کا بہت ہائی ٹیک سسٹم ہے اس کو استعمال کر کے فرقہ واریت، دہشت گردی کا سدباب کیا جائے۔ دشمن کا بیانیہ پروموٹ کرنے والوں کے لیے زیرو ٹالرنس کی پالیسی اپنائی جائے۔ ایسا مشترکہ نصاب بنے جو بین الاقوامی اداروں کے مفادات کا نگران نہ ہو بلکہ اُمت مسلمہ کے مستقبل کا امین ہو۔ اُمت مسلمہ کا ایک عسکری اتحاد بھی ہونا چاہیے۔ چین، شمالی کوریا، ترکیہ کے ساتھ آپ کے ساتھ ٹیکنالوجی کے معاہدے ہونے چاہئیں تاکہ آپ مل کر ایک بلاک بنا سکیں۔ سب سے اہم اس خطے کو ڈالر فری زون بنانا ہے۔ جب تک ڈالر کو آپ یہاں سے نکال باہر نہیں کریں گے، آپ نہ تو نئے ملٹری الائنس بنا سکتے ہیں، نہ ہی آپ اپنی معیشت کو آزاد کر سکتے ہیں۔ لہٰذا سب سے پہلے آپ کو ڈالر کے شکنجے سے نکلنا پڑے گا پھر آپ کو اپنی پراکسی پالیسی وضع کرنی پڑے گی۔ پراکسی پالیسی جب تک آپ امریکہ، اسرائیل اور انڈیا کی طرح نہیں بنائیں گے آپ خارجی فتنوں کا مقابلہ نہیں کر سکتے۔ ہمارے انٹیلی جنس آپریشنز کی برتری کا پوری دنیا کو علم ہے لہٰذا اب اس برتری کو سیاسی مفادات کے لیے استعمال کرنے کی بجائے پوری دنیا میں پاکستان کا اور اسلام کا نام

بلند کرنے کے لیے استعمال کیا جائے تو یقینی طور پر ہم اُمت مسلمہ کو لیڈ کر رہے ہوں گے۔

سوال: تنظیم اسلامی یکم تا 22 اگست 2025ء سے ’’اتحاد اُمت اور پاکستان کی سالمیت‘‘ کے عنوان سے ایک ملک گیر مہم کا انعقاد کر رہی ہے۔ اس مہم کے اغراض و مقاصد کیا ہیں، نیز اس مہم کی چیدہ چیدہ سرگرمیاں کیا ہوں گی؟

خورشید انجم: 7 اکتوبر 2023ء کے بعد غزہ کے حوالے سے جس قدر آواز بلند ہوئی ہے تو دینی جماعتوں نے ہی کی ہے، عوام کو بھی دینی جماعتوں نے ہی آگاہ اور متحرک کیا ہے، مظاہرے اور جلوس نکالے ہیں۔ فلسطینی بھائیوں کے لیے مدد کی مہم بھی دینی جماعتوں نے ہی چلائی ہے لیکن وقت کے ساتھ ساتھ اس سرگرمی میں کمی آئی ہے، درمیان میں ابراہم اکارڈز جیسے شوشے بھی چھوڑے گئے اور فلسطین سے توجہ ہٹا کر اسرائیل کو تسلیم کرنے کی باتیں کی گئیں۔ لہٰذا مسئلہ فلسطین کو دوبارہ زندہ اور اجاگر کرنے کے لیے اور عوام اور حکمرانوں کو پاکستان کو درپیش چیلنجز سے آگاہی دینے کے لیے تنظیم اسلامی نے تین ہفتوں پر مشتمل اس مہم کا آغاز کیا ہے۔ قائداعظم نے اسرائیل کو مغرب کا ناجائز بچہ قرار دیا تھا اور لیاقت علی خان نے کہا تھا: " Gentlemen!Our souls are not for sale!" بانیان پاکستان کے یہ تاریخی الفاظ پاکستان کی پالیسی کی بنیاد ہیں۔ ڈاکٹر اسرار احمد فرمایا کرتے تھے کہ اسرائیل ایک بیماری ہے اور اس کا علاج پاکستان ہے، اگر ساری دنیا بھی اسرائیل کو تسلیم کرلے تب بھی پاکستان کو اسرائیل کو تسلیم نہیں کرنا چاہیے۔ اس کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ پاکستان اس خطے میں واقع ہے جس کے بارے میں احادیث میں بشارت موجود ہے کہ یہاں سے اسلامی لشکر جائیں گے اور یروشلم میں جا کر دجال کے لشکر کے خلاف لڑیں گے۔ لہٰذا ہم اپنے مقام کو پہچانیں، اللہ نے ہمیں جو اعزاز بخشا ہے پاکستان کی سالمیت بھی اسی سے مشروط ہے۔ لیکن اس کے لیے ہمیں قرآن وسنت کی طرف لوٹنا ہوگا دین کے نفاذ کی جدوجہد میں شامل ہونا ہوگا۔ اس مہم کی چیدہ چیدہ سرگرمیاں یہ ہوں گی کہ سب سے پہلے امیر تنظیم اسلامی 31 جولائی کو صحافیوں سے ملاقات میں انہیں مہم کی غرض وغایت بتائیں گے۔ پھر امیر تنظیم کا ایک ویڈیو پیغام نشر ہوگا، اس کو ہینڈ بلز کی صورت میں تقسیم بھی کیا جائے گا۔ دراصل اس مہم کے ذریعے ہم عوام، حکومت، مقتدر حلقوں، دینی اور سیاسی جماعتوں، علمائے کرام کو متوجہ کرنا چاہتے ہیں کہ اُمت کے اتحاد کی اس وقت کس قدر ضرورت ہے اور پاکستان کی سالمیت کے لیے ہمیں کس قدر سنجیدہ ہونے کی ضرورت ہے۔ علماء کے نام ایک خط بھی لکھا گیا ہے کہ وہ منبر ومحراب سے اس حوالے سے آگاہی اور شعور بیدار کرنے کی کوشش کریں۔ خصوصاً جمعہ کے دن کروڑوں مسلمان خطبہ سنتے ہیں، ان خطبات کے ذریعے بھی عوام، حکمرانوں اور مقتدر حلقوں کو پیغام دیا جائے گا۔ اسی طرح ہم اخبارات اور رسائل میں بھی اس حوالے سے مضامین شائع کریں گے۔ ملک بھر میں پرامن مظاہرے بھی ہوں گے، کیمپس بھی لگائے جائیں گے۔ ایسی مہمات تنظیم اسلامی کے رفقاء کی تربیت کے لیے بھی اہم ہوتی ہیں۔

❁❁❁

قارئین پروگرام ’’زمانہ گواہ ہے‘‘ کی ویڈیو تنظیم اسلامی کی ویب سائٹ www.tanzeem.org پر دیکھی جاسکتی ہے۔

پروگرام کے شرکاء کا تعارف

1۔ خورشید انجم: ناظم مرکزی شعبہ تعلیم وتربیت تنظیم اسلامی پاکستان

2۔ ڈاکٹر فرید احمد پراچہ: مشیر خصوصی برائے سیاسی امور امیر جماعت اسلامی پاکستان

3۔ ڈاکٹر عارف صدیقی: معروف دانشور اور موٹیویشنل سپیکر

میزبان: وسیم احمد باجوہ: نائب ناظم مرکزی شعبہ نشرواشاعت تنظیم اسلامی پاکستان

دو سبق

مفتی محمد شفیع ؒ

شیخ الہند مولانا محمود حسن صاحب قدس اللہ سرہ مالٹا کی چار سالہ جیل سے رہائی کے بعد دارالعلوم دیوبند میں تشریف لائے تو علماء کے ایک مجمع کے سامنے آپؒ نے ایک اہم بات ارشاد فرمائی۔

’’ہم نے تو مالٹا کی زندگی میں دو سبق سیکھے ہیں‘‘۔ یہ الفاظ سن کر سارا مجمع ہمہ تن گوش ہو گیا کہ اس استاذ العلماء درویش نے اسی سال علماء کو درس دینے کے بعد عمر کے اس حصہ میں جو سبق سیکھے ہیں وہ کیا ہیں۔ فرمایا کہ:

’’میں نے جہاں تک جیل کی تنہائیوں میں اس پر غور کیا کہ پوری دنیا میں مسلمان دینی اور دنیوی ہر حیثیت سے کیوں تباہ ہو رہے ہیں تو اس کے دو سبب معلوم ہوئے۔ ایک ان کا قرآن کو چھوڑ دینا‘ دوسرے ان کے آپس کے اختلافات اور خانہ جنگی۔ اس لیے میں وہیں سے یہ عزم لے کر آیا ہوں کہ اپنی باقی زندگی اس کام میں صرف کروں کہ قرآن کریم کو لفظاً ومعناً عام کیا جائے‘ بچوں کے لیے لفظی تعلیم کے مکاتب بستی بستی میں قائم کیے جائیں‘ بڑوں کو عوامی درسِ قرآن کی صورت میں اس کے معانی سے روشناس کرایا جائے اور قرآنی تعلیمات پر عمل کے لیے آمادہ کیا جائے‘ اور مسلمانوں کے باہمی جنگ وجدال کو کسی قیمت پر برداشت نہ کیا جائے۔‘‘

نباضِ اُمت نے ملت مرحومہ کے مرض کی جو تشخیص اور تجویز فرمائی تھی باقی ایام زندگی میں ضعف وعلالت اور ہجوم مشاغل کے باوجود اس کے لیے سعی پیہم فرمائی۔ بذات خود درسِ قرآن شروع کرایا‘ جس میں تمام علمائے شہر اور حضرت مولانا حسین احمد مدنی ؒ اور حضرت مولانا شبیر احمد عثمانی ؒ جیسے علماء بھی شریک ہوتے تھے اور عوام بھی۔ اس ناکارہ کو اس درس میں شرکت کا شرف حاصل رہا ہے۔ مگر اس واقعے کے بعد حضرتؒ کی بقیہ عمر ہی گنتی کے چند ایام تھے۔ ع آں قدح بشکست وآں ساقی نماند

آج بھی مسلمان جن بلاؤں میں مبتلا اور جن حوادث وآفات سے دوچار ہیں اگر بصیرت سے کام لیا جائے تو ان کے سب سے بڑے سبب یہی دو ثابت ہوں گے‘ قرآن کو چھوڑنا اور آپس میں لڑنا۔ غور کیا جائے تو یہ آپس کی لڑائی بھی قرآن کو چھوڑنے ہی کا لازمی نتیجہ ہے۔ قرآن پر کسی درجے میں بھی عمل ہوتا تو خانہ جنگی یہاں تک نہ پہنچتی۔

(حوالہ: وحدت اُمت)

اسلاف کا قلب وجگر

عامرہ احسان
amira.pk@gmail.com

یہ زبان غزہ، نبی ﷺ کی سفر طائف سے واپسی پر اللہ کے حضور فریاد، دل پر دوہرے زخم ثبت کرتی ہے۔ کریم نبی ﷺ کی عظمت مقام کے باوجود بھاری آزمائش پر دل آج بھی کرچی کرچی ہونے لگتے ہیں۔ اور اب اہل غزہ کے 59 مسلم ممالک کی 2 ارب آبادی، فوجیں، علماء، مدارس، دینی سرگرمیاں، ہزاروں لاکھوں کے تحت اور غزہ خونچکاں، پانی کے گھونٹ، دوا کی گولی، روٹی کے لقمے کو ترستا؟ یا ارحم الراحمین یارب المستضعفین... اللہ! غزہ آخری دموں پر ہے۔ پانی کے گھونٹ، دوا کی گولی، روٹی کے لقمے کو ترستا۔ روٹیوں کے پہاڑ (غذا کے ٹرک) مصر، امریکہ اور اسرائیل کے مشترکہ قبضے میں ہیں اور وہ قصداً انھیں سڑا رہے ہیں۔ (دجال سے متعلق احادیث کے عین مطابق۔ مسلمان ان پڑھ ہیں اصل علم سے لاتعلق، دجالیوں کے جانے انجانے میں مددگار، ساتھی بنے!) اردن اس وقت دارالحکومت میں فوڈ فیسٹول کے اشتہا انگیز کھانوں کی بے رحم مہک اڑانے کو 6 تا 11 اگست کے اشتہار دے رہا ہے۔ (غزہ کے فاقہ زدہ ڈھانچوں پر نمک چھڑکنے کو)۔ ان کے اشتہار میں لکھا ہے، جہاں کلچرز (بے حیا ڈھٹائی، بے حسی کے؟) یکجا ہوں گے۔ بڑے بڑے شیف (ماہر باورچی) ملیں گے۔ یہ اردن ہے جس نے خلافت عثمانیہ سے جان چھڑا کر برطانیہ کے سایۂ عاطفت (غفلت) میں آنا پسند کیا تھا۔ ادھر غزہ کی روزانہ کی فاقہ کشوں کی تصاویر دیکھیں۔ GHF سفاک امریکی و اسرائیلی نام نہاد امدادی ادارے نے خان یونس میں موت کا جال بچھایا۔ امداد کی آڑ میں 'صرف خواتین' کا اشتہار لگایا۔ خاتون کہتی ہے: ہم وہاں مدد لینے پہنچیں تو آنسو گیس، آگ، مرچوں کا سپرے، گولیاں برسائی گئیں۔ شدید تذلیل سے گزارا۔ (خواتین بچنے کے لیے زمین پر الٹی خوفزدہ لیٹی ہوئی ہیں قطار اندر قطار۔) میں ننگے پاؤں وہاں سے بلا امداد، ذلت لے کر لوٹی۔ وہاں جو امداد لینے جاتا ہے وہ موت کے سفر پر نکلتا ہے۔ دنیا کی لعن طعن پر اب جو امداد کا پروپیگنڈا ہے، سرتا سر جھوٹ ہے۔ جہاں سمندر درکار ہے مدد کا وہاں دیکھ لیجیے، پیاسے کو شبنم بھی میسر نہیں، موت بٹ رہی ہے۔ کہتی ہے: 'میرا جسم مرچوں کے سپرے سے دہک رہا ہے، سر بھڑک رہا ہے۔ ہم بچوں کو کیا جواب دیں، تمہارے لیے کیا لائے؟' یہ ہے امریکی امداد! ذلت، دکھوں میں روند کر! (ادھر ہم ہر وقت اسی طواف کوئے ملامت کو مدد طلب دوڑے جاتے ہیں۔ اس مرتبہ تو ہم اپنی بیٹی ڈاکٹر عافیہ سے بھی اظہار برات کر گزرے۔ جس پر اس کا سراپا درد (برطانوی) اٹارنی کلائیو سٹیفورڈ بھی چلا اٹھا۔ غلط، بالکل غلط، بلا گواہی، خلاف انصاف کو کس طرح آپ نے 'انصاف' کے عین مطابق قرار دے دیا؟!

اسی پر بس نہیں۔ GHF نے ایک ماہ پہلے 15 تا 17 سالہ بچے رفح سے اغوا کیے۔ اسرائیلی فوجیوں نے اذیتوں، بھوک سے گزارا، ہاتھ، ٹانگیں باندھ کر رکھا۔ بدحواس، نیم دیوانہ سوکھا لاغر بچہ، ہر انگ سے خوف ٹپکتا! اب محبتوں میں گھرا مگر غیر یقینی کیفیت کا شکار۔ مہذب دنیا اب غصے سے پاگل ہو رہی ہے۔ امریکہ، اسرائیل اور مصر پر ان گنت ممالک میں عوام (مسلم، غیر مسلم) مصری سفارت خانوں کو تالے لگا رہے، دشنام طرازی، لعن طعن کر رہے ہیں۔ ایمسٹرڈیم، لیبیا، مراکش، ترکی، لبنان، لندن بھی جگہ غم و غصے سے رفح بارڈر کھولنے کے تقاضے کے ساتھ مصری سفارت خانے کو تالا لگایا گیا۔ بغداد میں بڑی تعداد میں عراقی مظاہرین نے 'سیسی اللہ کا دشمن ہے' کے بلند بانگ نعرے لگائے۔ 'سفیر سن لے!' تکبیریں بلند کیں۔ اے اقصیٰ ہماری زندگی، ہمارا خون ہماری قربانیاں تمہارے لیے ہیں۔ خود مصری عوام شہر شہر اب جاگ اٹھے ہیں۔ وحدت امت صرف ان حساس، باضمیر، غزہ پر متحرک مسلمانوں تک محدود ہے!

یہ حال ہو چکا کہ ناصر ہسپتال میں گزشتہ 48 گھنٹے سے کچھ کھائے بغیر فاقہ زدہ طبی عملہ آپریشن کر رہا ہے۔ خود ڈائریکٹر کے پاس اب صرف سوکھی روٹی کے 2 ٹکڑے تھے۔ اسرائیلیوں کے لیے دنیا کے عوام، (حکمران نہیں!) سراپا نفرت ہیں۔ خود فلسطینی کہتے ہیں 'اگر ہم عیسائی، دروز، علوائیت (بشار الاسد کی طرح)، ہندو ہوتے تو دنیا اٹھ کھڑی ہوتی ہماری مدد کو۔ سیکورٹی کونسل کا اجلاس بلایا جاتا۔ مگر ہم مسلمان ہیں۔' (فائز ابوشمالۃ) ادھر خلیل الحیہ، غزہ کا جلاوطن حماس چیف سوال کرتا ہے: 'اے علمائے امت! غزہ کی پاکباز بیٹیاں آپ کو پکار رہی ہیں۔ وااسلاماہ کی فریاد، سسکتی صدائیں آپ کے ضمیر کو جھنجھوڑ نہیں رہیں؟ آپ کی گردنوں پر ایک عظیم امانت کا بوجھ ہے۔ اس بارے آپ جوابدہ ہوں گے!'

یہ ہُو کا عالم، یہ سناٹا خون سے بڑے ایمانی رشتے پر کیوں دنیا بھر کے مسلمانوں پر چھایا ہوا ہے؟ حب الدنیا وکراھیۃ الموت سمندروں کی جھاگ جیسی 2 ارب بے وقعت ہوئی امت پر چھائی ہے۔ یہ 'روحانی کرونا' ہے جو ہمیں اندر سے چاٹ گیا ہے۔ اس کی ابتدا تو 2001ء میں ہو گئی تھی جب امت بے وقعت ہو کر کفر کے لشکروں کی ہمنوائی امارت اسلامیہ افغانستان پر ٹوٹ پڑنے والی کفریہ قوتوں کی مددگار رہی۔ جہاد گناہ عظیم اور دہشت گردی قرار پایا۔ وہ تمام اصطلاحیں آج گدھے کے سر سے سینگ کی طرح غائب ہو گئیں۔ امریکہ اسرائیل پر یہ فتاوی صادر نہیں ہوتے۔ اب وہ انتہا پسند دہشت گرد نہیں۔ انھیں سافٹ امیج، رواداری، آزادی اظہار، برداشت، ڈائیلاگ، ان معنوں میں نہیں پڑھایا جاتا جو ہم پر لازم تھا۔ ڈی ریڈیکلائز (انتہا پسندی سے نکال کر) فلسطینیوں کا طرز فکر، طرز زندگی اپنانے، برداشت کرنے کی تعلیم و تربیت اسرائیلیوں کو درکار نہیں۔ جو بدتہذیبی کی آخری انتہاؤں سے بھی گر چکے اس پر اعتراض نہیں! وجہ؟ عالم اسلام کی اشرافیہ، بے ضمیر، بڑی طاقتوں کے ہاتھ بکے ہوئے حکمران۔ اول تا آخر پوری امت میں۔ تمام مسلمان بے بس ہیں۔ دردمند تو ہیں۔ مگر دعاؤں، ہمدردی کے سوا تہی دست۔ انھیں اپنی اور بچوں کی زندگی اور مستقبل عزیز ہے۔ تاریخ سے ناواقف ہیں۔

ع 'وہ کیا گردوں تھا جس کا تو ہے اک ٹوٹا ہوا تارا!'

جمہوریت، اگرچہ اب دیکھ برت چکے، مگر نہیں جانتے خلافت کیا ہوتی ہے۔ قرآن، حدیث، وظائف، اذکار کر بھی لیں تو سیاسی اسلام شجر ممنوعہ ہے۔ حالانکہ وہ تو ہجرت مدینہ سے شروع ہو کر ریاست مدینہ میں بصورت قرآن آ گیا۔ پورا نظام زندگی، حکمران نبی ﷺ اور قوانین ریاست تمام مدنی سورتوں میں نازل اور نافذ ہوتے گئے۔ آپ

کے وصال تک، ہمہ گیر، ہمہ پہلو سیاسی، معاشی، معاشرتی، تعلیمی، بین الاقوامی رہنمائی ہماری مکمل ہو چکی تھی۔ وہی تمام آیات جن پر خلافتِ راشدہ آپؐ کے بعد بھی استوار ہوئی اور تین براعظموں پر تبلیغ اور جہاد فی سبیل اللہ کے ذریعے نافذ ہوئی۔ ہم یہ آیات مُردوں پر پڑھ کر فارغ ہو جاتے ہیں۔ مگر! خدائے زندہ زندوں کا خدا ہے۔ ہم روحانی طور پر... مُردہ ہے مانگ کے لایا ہے فرنگی سے نفس! خلافتِ عثمانیہ تک دنیا پر ہیبت بٹھائی (1924ء) 3 براعظموں پر اسلامی سلطنت، آج کے 64 ممالک پر مشتمل تھی۔ ننھے سے یورپ کے مقابلے میں عظیم الشان خلافت! کتنی بے پناہ شبانہ روز محنت سے یورپ نے اسے توڑا اور عہد کیا کہ اسے دوبارہ کسی صورت سر نہیں اٹھانے دینا۔ ان ممالک کی وسعت اور تفصیل ہی آپ کے دل کو قوت و شوکت سے بھر دے گی۔ مسلمان (مگر مکمل! شریعت سے نابلد، ان پڑھ نہیں) اپنی تاریخ، مقصدِ وجود جانتا ہو تو مٹھی بھر بھی ایک دنیا کو دہلانے کو کافی ہیں۔

افغانستان کے مقابل تین سپر پاورز اور پھر 2021ء میں پوری دنیا کی مشترکہ قوتوں کی شکست میں کیا کوئی سبق نہیں؟ اس وقت دنیا بھر کے باشعور باضمیر انسان کروڑوں کی تعداد میں امریکہ، اسرائیل کے جانی دشمن ہوئے پڑے ہیں مگر وحدتِ اُمت ہوتی تو نقشہ پل بھر میں بدل جاتا۔ آج کا پاکستان، مشرقی پاکستان کے تلخ تجربے سے گزرنے کے باوجود پھر انہی راستوں کی بھول بھلیوں میں، بصورتِ دلدل دھنستا چلا جا رہا ہے۔ اس کی سالمیت صرف اور صرف اسلام سے وابستہ ہے۔ محبت، اخوت، عدل و انصاف، حکمت و دانائی، اعلیٰ ظرفی، غلطیوں کا اعتراف اور اصلاحِ احوال درکار ہے۔ بڑوں کی منتقم مزاجی، عوام میں تعصبات کے زہر کو پھلنے پھولنے دینا تباہی بربادی کا راستہ ہے۔ نیز امانت و دیانت کو دنیا پرستی نگل گئی۔ رزقِ حلال کی نہ پہچان نہ فکر، نہ دنیا و آخرت میں نتائج کا علم۔ جہالت، کرپشن، سیرت و کردار کو دیمک بن کر چاٹ گئی۔ گاڑی، گھر، منصب کی چاہ نے دیوانہ کر رکھا ہے۔ ملکی ترقی بھی ظاہری چمک دمک، عمارات، پلوں، سڑکوں، ہائی رائز عمارتوں، بلٹ ٹرین کو سمجھا جاتا ہے۔ بنیادی عوامی ضروریات و سہولیات کی خبر ہی نہیں۔ سیلابوں میں ڈوبتا ملک، ایک ڈیم بنانے کی فرصت نہیں! ترجیحات درست کیجیے۔ ؏

لا کہیں سے ڈھونڈ کر اسلاف کا قلب و جگر

❁❁❁

پریس ریلیز یکم اگست 2025ء

اُمتِ مسلمہ کا اتحاد وقت کی اہم ترین ضرورت ہے۔ پاکستان کی بقاء اور سالمیت ملک میں اسلام کے نظامِ عدلِ اجتماعی کے نفاذ سے ہی ممکن ہے

شجاع الدین شیخ

اُمتِ مسلمہ کا اتحاد وقت کی اہم ترین ضرورت ہے۔ پاکستان کی بقاء اور سالمیت ملک میں اسلام کے نظامِ عدلِ اجتماعی کے نفاذ سے ہی ممکن ہے۔ ان خیالات کا اظہار تنظیم اسلامی کے امیر شجاع الدین شیخ نے ایک بیان میں کیا۔ انہوں نے کہا کہ اسرائیل، امریکہ اور بھارت پر مشتمل ابلیسی اتحادِ ثلاثہ مشرقِ وسطیٰ کے کئی ممالک میں تباہی پھیلا کر اب ہمارے دروازے پر پہنچ چکا ہے۔ ایک طرف غزہ، لبنان، شام، ایران اور یمن پر انسانیت سوز جنگ مسلط کر رکھی ہے تو دوسری طرف ابراہم اکارڈز کا جھانسہ دے کر نہ صرف مسئلہ فلسطین اور حرمتِ مسجدِ اقصیٰ پر کاری وار کرنے کی کوشش کر رہا ہے بلکہ اسرائیل کے توسیعی منصوبہ گریٹر اسرائیل کی تکمیل کے لیے عرب ممالک اور پاکستان کو اپنے نشانہ پر رکھے ہوئے ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ ابراہم اکارڈز کا حصہ بننا ناجائز صیہونی ریاست اسرائیل کو تسلیم کرنے کے مترادف ہوگا جس کی دینی لحاظ سے کوئی گنجائش نہیں۔ پھر یہ کہ بانیانِ پاکستان نے اسرائیل کو کبھی تسلیم نہ کرنے کی ناقابلِ ترمیم ریاستی پالیسی قیامِ پاکستان کے وقت ہی دے دی تھی۔ آج مسلمانوں کو اپنے معمولی اور وقتی مفادات کو چھوڑنا ہوگا۔ مسلکی تقسیم سے بلند ہو کر اُمتِ واحدہ کا روپ اختیار کرنا ہوگا تاکہ دشمن کو دندان شکن جواب دیا جا سکے۔ امیر تنظیم نے کہا کہ پاکستان جو مسلم دنیا کی واحد ایٹمی طاقت ہے، اُسے اتحادِ اُمت کے حوالے سے قائدانہ کردار ادا کرنا ہوگا۔ لیکن یہ صرف اُس وقت ممکن ہو سکے گا جب پاکستان امریکہ کی غلامی اور سود پر مبنی سرمایہ دارانہ نظام کو جڑ سے اُکھاڑ پھینکے اور نظریۂ پاکستان جو درحقیقت نظریۂ اسلام ہے اُس کی طرف پیش قدمی کی جائے۔ امیر تنظیم نے کہا کہ پاکستان کو درپیش جملہ سیاسی، معاشی اور معاشرتی مسائل کے حل اور ملک و ملت کی بقاء اور سالمیت کا واحد حل یہ ہے کہ ملک میں عدلِ اجتماعی پر مبنی اسلامی نظام کا نفاذ کیا جائے تاکہ ہم دنیا میں بھی سرخرو ہو سکیں، وحدتِ اُمت کی اہم ذمہ داری بھی ادا کر سکیں اور ہمیں اُخروی کامیابی بھی نصیب ہو سکے۔ اللہ تعالیٰ حکومت اور مقتدر حلقوں کو اس کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین! (جاری کردہ: مرکزی شعبہ نشر و اشاعت، تنظیم اسلامی، پاکستان)

مہم بسلسلہ "اتحادِ اُمت اور پاکستان کی سالمیت"

تنظیم اسلامی کا پیغام
خلافتِ راشدہ کا نظام

بانی تنظیم: ڈاکٹر اسرار احمدؒ

امیر تنظیم: شجاع الدین شیخ

امتِ مسلمہ کے اتحاد اور عروج کا راستہ —

قرآن کریم کو تھام کر صاحبِ قرآن ﷺ کے مشن کی جدوجہد

تنظیمِ اسلامی www.tanzeem.org

اتحادِ اُمت، کیا اور کیسے؟

ضمیر الحسن خان

دین اسلام کا امتیاز یہ ہے کہ یہ فطرت کا دین ہے، فطرتِ انسانی، الفت ومحبت کا نام ہے۔ اسلام کی دعوت وتعلیم بھی یہی ہے، وہ بھی چاہتا ہے کہ انسان منظم، فعال ومتحرک (Active) اور متحد ہو کر اس کی اقامت واشاعت کا فریضہ انجام دے، اس لیے یہ ہمیشہ جماعت واجتماعیت کی طرف بلاتا ہے۔ مومن، دوسرے مومن سے مل کر ہی سیسہ پلائی ہوئی دیوار بنتا ہے۔ نیکی اور بھلائی کے کاموں میں ایک دوسرے کا تعاون اور باہمی اشتراک ایک اہم دینی، اخلاقی اور انسانی فریضہ ہے اور تواصی بالحق وتواصی بالصبر ہی دنیوی واُخروی فلاح کی تنہا ضمانت ہے۔

امت کے موجودہ حالات بھی اسی بات کا تقاضا کرتے ہیں کہ نفع بخش کوششیں مشترک ومتحد ہوں۔ عظیم کارنامے متحدہ کوششوں کے بغیر انجام نہیں دیے جاسکتے اور فیصلہ کن معرکے کندھے سے کندھا ملا کر اور ہاتھوں میں ہاتھ ڈال کر ہی سر کیے جاسکتے ہیں اور سب سے بڑھ کر یہ کہ اللہ کو محبت بھی اپنے ان ہی بندوں سے ہے جو متحد و ایک ہوں۔

﴿اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الَّذِيْنَ يُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِهٖ صَفًّا كَاَنَّهُمْ بُنْيَانٌ مَّرْصُوْصٌ ۝۴﴾ (الصف) ''اللہ کو تو محبوب ہیں وہ بندے جو اس کی راہ میں صفیں باندھ کر قتال کرتے ہیں جیسے کہ وہ سیسہ پلائی دیوار ہوں۔''

پھر اتحاد واجتماعیت بھی ایسی کہ اس میں کہیں سے شیطان کے در آنے کی گنجائش نہ ہو، اس لیے نماز تک میں حکم ہے کہ ایک دوسرے کے ساتھ مل کر ایسے کھڑے ہوں کہ صفوں کے اندر جگہ خالی نہ رہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ایک دوسرے سے اختلاف نہ کیا کرو، کہیں ایسا نہ ہو کہ اس سے تمہارے دلوں میں ایک دوسرے سے اختلاف پیدا ہوجائے۔ (ابوداؤد)

پوری اُمت جسدِ واحد کی طرح ہے

قرآن مجید نے اُمت کو جس اخوت واتحاد کا درس دیا ہے اُس کے تصور کے بغیر دین کا تصور بھی مکمل نہیں ہوتا۔ عرب جو ہمیشہ لڑتے تھے، جیسے ہی نورِ ایمان کی شعاعیں اُن کے دلوں پر پڑیں، کفر کی ساری سیاہیاں ختم ہوگئیں اور آپس میں ایسے شیر وشکر ہوئے کہ ضرب المثل بن گئے۔ قرآن مجید نے ان کے اتحاد کی تعریف کی اور فرمایا:

﴿هُوَ الَّذِيْٓ اَيَّدَكَ بِنَصْرِهٖ وَبِالْمُؤْمِنِيْنَ ۝۶۲ وَاَلَّفَ بَيْنَ قُلُوْبِهِمْ ۭ لَوْ اَنْفَقْتَ مَا فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا مَّآ اَلَّفْتَ بَيْنَ قُلُوْبِهِمْ﴾ (الانفال: 63،62)

''وہی تو ہے (اللہ) جس نے آپ کی مدد کی ہے اپنی نصرت سے اور اہل ایمان کے ذریعے سے۔ اور ان (اہل ایمان) کے دلوں میں اُس نے الفت پیدا کردی۔ اگر آپ زمین کی ساری دولت بھی خرچ کردیتے تو ان کے دلوں میں یہ اُلفت پیدا نہیں کرسکتے تھے۔''

ایمان کی شان یہی ہے کہ اللہ کے جتنے بندے اُس کی رسی سے وابستہ ہوجائیں اور اسلام وقرآن کی لڑی میں پروجائیں وہ ایک جسم وجاں بن جائیں، ان میں سے کسی کی تکلیف، دوسرے کو مضطرب وبے چین کردے، اُن کے درمیان کوئی مسلک، کوئی ذات، کوئی برادری، کوئی علاقہ اور کوئی خاندان نہ ہو سب ایک ہی خاندان، خاندانِ اسلام سے وابستہ ہوجائیں۔

صحابیٔ رسولؐ، حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ''خون کے رشتے ٹوٹ جاتے ہیں، احسانات فراموش کردیے جاتے ہیں لیکن ایمان سے زیادہ دلوں کو قریب کرنے والی چیز دیکھنے میں نہیں آئی۔'' (ابن کثیر 2/426)

ایمان ہی کی طاقت تھی کہ اوس وخزرج کی پشتہا پشت کی دشمنیاں اخوت ومحبت میں تبدیل ہوگئیں جبکہ قرآن پاک کی شہادت یہ ہے کہ زمین وآسمان کے تمام خزانے لٹا کر بھی اُن کی نفرتیں ختم نہ ہو پاتیں۔ اس کا اس کے سوا اور کیا مطلب ہوسکتا ہے کہ امت حقیقی ایمان کی لذت سے ناآشنا ہے۔

اخوت واتحاد کی برکتیں

محبت واتحاد کی اہمیت کا اندازہ ان احادیث سے بآسانی لگایا جاسکتا ہے:

بخاری ومسلم (صحیحین) کی روایت ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: ''مومن، مومن کے لیے دیوار کے مانند ہے جس کا ایک حصہ دوسرے کو تقویت پہنچاتا ہے۔''

اگر ایک مومن دوسرے مومن کو اپنی قوت نہ سمجھے اور اُسے ضائع ہونے کے لیے چھوڑ دے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ خود اپنی کمزوری کا سامان کر رہا ہے۔

خلیفۂ ثانی حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ اللہ کے رسولؐ نے فرمایا: ''قیامت کے روز اللہ کے کچھ بندے ایسے ہوں گے جو نہ نبی ہوں گے نہ شہداء، مگر اللہ کی نگاہ میں اُن کی جو قدر ومنزلت ہوگی اُسے دیکھ کر انبیاء وشہداء بھی اُن پر رشک کریں گے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے پوچھا: وہ کون لوگ ہوں گے؟ ارشاد فرمایا: ''یہ وہ لوگ ہیں جو کسی رشتے ناطے یا کسی دنیوی تعلق کی بنا پر نہیں بلکہ صرف اللہ کی خوشنودی اور اس سے تعلق کی وجہ سے آپس میں محبت کرتے تھے۔'' (سنن ابوداؤد)

ایمان ایک مقناطیسی طاقت ہے، اگر انسان کے دل میں ایمان ہے تو وہ لازماً دوسرے کی طرف کھینچتا ہے۔ نبی کریم ﷺ کی صریح ہدایت ہے کہ بھائی بھائی بن کر رہو۔ ایک دوسرے سے حسد نہ کرو، ایک دوسرے کو نقصان نہ پہنچاؤ، ایک دوسرے سے بغض وکینہ نہ رکھا کرو، آپس میں بے تعلق اور منہ پھیر کر نہ رہو، سب اللہ تعالیٰ کے بندے ہو، بھائی بھائی بن کر رہو اور مسلمان اپنے بھائی پر ظلم نہیں کرتا، نہ اُسے ذلیل وحقیر سمجھتا ہے اور نہ اسے بے سہارا چھوڑتا ہے، دیکھو! تقویٰ کی جگہ یہ ہے، آپؐ نے اپنے سینۂ اطہر کی طرف اشارہ کرکے تین بار یہ بات فرمائی۔ پھر فرمایا: ''آدمی کے برا ہونے کے لیے اتنی بات کافی ہے کہ وہ اپنے مسلمان بھائی کو حقیر جانے، مسلمان کا خون، اس کا مال اور اُس کی عزت دوسرے مسلمان پر حرام ہے حرام۔'' (رواہ الترمذی)

نبی کریم ﷺ ان ہدایات پر عمل کرکے کیا مسلک کی دوریاں باقی رہ سکتی ہیں، کیا ایمانی اخوت میں جغرافیہ رکاوٹ بن سکتا ہے، کیا ذات وبرادری کی تفریق باقی رہ سکتی ہے، حقیقت یہ ہے کہ سب مسلمان ہوں گے اور ایک ہوں گے۔

اسلامی اخوت کی حفاظت، نماز روزے سے بڑھ کر ہے

بعض روایات سے تو یہاں تک پتہ چلتا ہے کہ ایمانی اخوت ومحبت اور اس کی بقاء وتحفظ نماز اور روزے سے بھی بڑھ کر ہے۔

حضرت ابودرداء رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا: ''میں تمہیں ایسا عمل نہ بتاؤں جو

روزوں اور صدقہ وخیرات اور نماز سے بھی افضل ہے؟“ ہم نے عرض کیا کیوں نہیں، (ایسی بات تو ضرور ارشاد فرمایئے) آپؐ نے فرمایا: ”وہ عمل باہمی تعلقات کی اصلاح ہے، (اصلاح باہم ہے) تعلقات کا فساد، صفایا کر دینے والی چیز ہے۔“ (رواہ الترمذی)

حضرت زبیر ؓ کی روایت میں مزید صراحت ہے کہ آپؐ نے فرمایا: ”تمہارے اندر گزشتہ قوموں جیسی بیماری درآئی ہے، حسد اور باہمی عداوت و دشمنی صفایا کر دینے والی چیز ہے، میں بالوں کے صفایا کر دینے کی بات نہیں کہہ رہا ہوں بلکہ یہ دین کا صفایا کر دیتی ہے۔“ (رواہ الترمذی)

کون صاحب ایمان نہیں جانتا کہ نماز، روزہ اسلام کے رکن رکین ہیں مگر رسول اسلام ﷺ نے مسلمانوں کے باہمی تعلقات کی درستگی کو ان بنیادی ارکان اسلام سے بھی افضل قرار دیا اور وجہ یہ بیان فرمائی کہ باہمی بگاڑ و اختلاف، پورے دین کی بنیاد کو اکھاڑ دینے والی چیز ہے۔ آپس کی نفرت و عداوت اور بغض وکینہ دین اور تقاضائے دین پر غالب آ کر مسلم امت کی ایک ایک چیز پر قبضہ جمالیتے ہیں۔

اصلاح باہم کی اس سے بڑھ کر اور کیا اہمیت ہو سکتی ہے کہ اس کی خاطر خدا کے رسولؐ نے نماز جیسی عبادت میں تاخیر گوارا فرمائی۔

قرآنی ہدایت اور ایمانی بصیرت تھی کہ ایک موقع پر اوس اور خزرج جن کی دشمنیاں مشہور ہیں، ایمان لانے کے بعد جب ایمان کی حرارت نے ان کے دلوں کو پگھلا کر ایک دوسرے سے جوڑ دیا، ایک دن دونوں قبیلوں کے لوگ ایک جگہ بیٹھے تھے کہ خزرج کے ایک آدمی نے ایک شعر پڑھا جس میں اوس کی ہجو تھی، پلٹ کر اس نے بھی خزرج کی ہجو میں شعر پڑھا، بڑھتے بڑھتے سلسلہ یہاں تک پہنچ گیا کہ تلواریں نکل آئیں، آپؐ کو جیسے ہی خبر ہوئی فوراً وہاں پہنچے اور یہ آیتیں تلاوت فرمائیں:

﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ حَقَّ تُقٰتِهٖ وَلَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَاَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ ﴿۱۰۲﴾ وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيْعًا وَّلَا تَفَرَّقُوْا ۠ وَاذْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ كُنْتُمْ اَعْدَاۗءً فَاَلَّفَ بَيْنَ قُلُوْبِكُمْ فَاَصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِهٖٓ اِخْوَانًا ۚ وَكُنْتُمْ عَلٰي شَفَا حُفْرَةٍ مِّنَ النَّارِ فَاَنْقَذَكُمْ مِّنْھَا ۭ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ اٰيٰتِهٖ لَعَلَّكُمْ تَھْتَدُوْنَ ﴿۱۰۳﴾﴾ (آل عمران) ”اے اہل ایمان! اللہ کا تقویٰ اختیار کرو جتنا کہ اس کے تقویٰ کا حق ہے اور تمہیں ہرگز موت نہ آنے پائے مگر فرمانبرداری کی حالت میں۔ اللہ کی رسی کو مضبوطی سے تھام لو مل جل کر اور تفرقے میں نہ پڑو۔ اور ذرا یاد کرو اللہ کا جو انعام تم پر ہوا جبکہ تم ایک دوسرے کے دشمن تھے تو اللہ نے تمہارے دلوں کے اندر الفت پیدا کر دی پس تم اللہ کے فضل و کرم سے بھائی بھائی بن گئے۔ اور تم تو آگ کے گڑھے کے کنارے تک پہنچ گئے تھے“ (بس اس میں گرنے ہی والے تھے) تو اللہ نے تمہیں اس سے بچا لیا۔ اسی طرح اللہ تمہارے لیے اپنی آیات واضح کر رہا ہے تاکہ تم راہ پاؤ (اور صحیح راہ پر قائم رہو)۔“

زبان مبارک سے یہ آیات سنتے ہی انھوں نے تلواریں زمین پر پھینک دیں اور باہم گلے مل کر خوب روئے۔ روایت میں ہے کہ انہیں اپنے ہتھیاروں سے وحشت ہوگئی اور پھینک دیئے۔

قرآن پاک اور نبی رحمتؐ نے بنائے امت کو جن بنیادوں پر استوار کیا تھا ان کی رو سے علاقائیت، قومیت، برادریاں تمام رشتے تحلیل ہو کر ﴿اِنَّ هٰذِهٖٓ اُمَّتُكُمْ اُمَّةً وَّاحِدَةً ڮ وَّاَنَا رَبُّكُمْ فَاعْبُدُوْنِ ○﴾ (الانبیاء: 92) کی ناقابل تسخیر وحدت میں ضم ہوگئے اور لازوال ہوگئے۔

یہاں یہ نکتہ بھی قابل غور ہے کہ لفظ ”امت“ جس طرح کسی قوم اور جماعت کے لیے استعمال ہوتا ہے اسی طرح ایک طریقہ و روش کے لیے بھی استعمال ہوتا ہے گویا جب بہت سے افراد مل کر ایک قوم ہو جائیں تو ان سب کے طور طریق اور روش بھی ایک ہونا چاہیے۔ مگر امت کی بدقسمتی ہے کہ اپنے ان فانوسوں کو ریزہ ریزہ کر کے اور اپنی ان روشن قندیلوں کو گل کر کے دشمن کے مدھم اور ٹمٹماتے ہوئے دلوں کو روشن کر رہی ہے اور اپنی بربادی کا سامان کر رہی ہے۔

((اَللّٰهُمَّ اهْدِ قَوْمِيْ فَاِنَّهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ)) (سنن ابن ماجہ) ”اے اللہ! میری قوم کو ہدایت دے یہ مجھے نہیں جانتے۔“

دلوں کا ٹکراؤ شیطان کا مرغوب ترین مشغلہ ہے

حضرت جابر ؓ سے مروی ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا: ”شیطان سمندر کے اوپر اپنا دربار لگاتا ہے اور ہر طرف اپنے وفود روانہ کرتا ہے جو انسانوں کو فتنوں میں مبتلا کرتے ہیں۔ پس اس کا سب سے قریبی و چہیتا وہ قرار پاتا ہے جس کا فتنہ سب سے بڑا ہوتا ہے، ان میں سے ایک آتا ہے اور کہتا ہے کہ آج میں نے یہ یہ کیا، وہ کہتا ہے کہ تم نے کچھ بھی نہیں کیا، دوسرا کہتا ہے کہ میں نے فلاں کا پیچھا اس وقت تک کیا کہ اس کے اور اس کی بیوی کے درمیان پھوٹ ڈلوا دی، وہ اُسے قریب کرتا ہے اور سینے سے لگا لیتا ہے اور کہتا ہے: شاباش، تیرا کیا کہنا۔ دوسری روایت میں یہ صراحت بھی مذکور ہے کہ شیطان اس بات سے تو مایوس ہو چکا ہے کہ نماز پڑھنے والی امت، اللہ کی بندگی چھوڑ کر اس کی پرستش کرنے لگے، ہاں، وہ اسے ٹکرانے بھڑانے کے سلسلے میں ضرور پُرامید ہے۔

شیطان کے اسی پھندے سے بچنے کی خاطر اسلام نے اپنے ماننے والوں کو تعلیم دی کہ جب بھی آپس میں تلخی اور سخت کلامی کی نوبت آئے، چاہیے کہ لاحول ولا قوۃ الا باللہ پڑھ کر خاموش ہو جائے، پانی پی لے، بیٹھ جائے اور وہاں سے ہٹ جائے وغیرہ۔

ایک موقع پر حضور نبی کریم ﷺ نے حضرت ابوبکر صدیق ؓ سے مخاطب ہو کر فرمایا: تین باتیں ہیں اور ان میں سے ہر ایک شدنی ہے: (1) کوئی بندہ ایسا نہیں ہو سکتا کہ کوئی اس پر ظلم کرے اور وہ اللہ کے لیے معاف کر دے اور اللہ تعالیٰ غیب سے اس کی مدد کے اسباب فراہم نہ کرے۔ (2) کبھی ایسا نہیں ہوا کہ بندہ نے اللہ کے لیے خرچ کیا ہو جس سے اس کا مقصد بندوں کے حقوق ادا کرنا ہو اور اللہ تعالیٰ نے اس کے لیے خیر و برکت میں اضافہ نہ کیا ہو۔ (3) اور کبھی ایسا نہیں ہوا کہ کسی نے مخلوق سے سوال کیا ہو جس سے اس کا مقصد اپنی ضرورت کی تکمیل ہو اور اللہ نے اس کے حق میں کمی و بے برکتی نہ لکھ دی ہو۔ (الترغیب والترہیب)

بغض وکینہ سے اجتناب کیجیے

دین اسلام نے دلوں سے تمام مسلکی، جماعتی، علاقائی، نسبی غرض ہر طرح کے تعصب کو ختم کرنے کا مکمل اہتمام کیا ہے۔ ایک روایت میں ہے کہ جاہلی عصبیت اور بغض وحسد، اللہ کی مغفرت کے حصول میں بھی رکاوٹ ہے۔

حضرت انس بن مالک ؓ ایک جلیل القدر صحابی ہیں ان سے ایک واقعہ منقول ہے کہ ایک دن یہ لوگ اللہ کے رسول ﷺ کے ساتھ بیٹھے ہوئے تھے، آپؐ نے فرمایا: ابھی تمہارے درمیان ایک جنتی آنے والا ہے، اتنے میں ایک انصاری صحابی آئے جن کی داڑھی بھیگی ہوئی تھی، ہاتھ میں چپل تھی، وہ آئے اور کچھ دیر کے بعد (غالباً نماز پڑھ کر) چلے گئے۔

دوسرے دن پھر آپؐ نے وہی بات ارشاد فرمائی اور پھر وہی انصاری آئے اور گئے۔ تیسرے دن بھی ایسا

ہی ہوا، جب مجلس نبوی برخاست ہوگئی تو عبد اللہ ابن عمر ؓ ان کے پیچھے پیچھے گئے اور ان سے مہمان بننے کی درخواست کی۔ چنانچہ وہ ان کے یہاں تین دن تک ٹھہرے رہے اور یہ پتہ لگانے کی کوشش کرتے رہے کہ آخر کس وجہ سے اللہ کے رسولؐ نے ان کو جنتی بتایا تھا۔ تلاش کے باوجود انہیں ان کی زندگی میں کوئی ایسا عمل نظر نہیں آیا۔ جب واپس ہونے لگے تو ان انصاری صحابی ؓ نے بلایا اور کہا کہ جو کچھ تم نے دیکھا ہے میں ویسا ہی ہوں، البتہ میں کسی مسلمان کے تئیں اپنے دل میں کوئی کینہ، تعصب اور کدورت نہیں رکھتا اور نہ کسی سے جلتا ہوں، یہ سن کر ابن عمر ؓ نے کہا کہ اس چیز نے تم کو اس مقام بلند تک پہنچایا ہے۔

بزار و ابن عساکر وغیرہ نے ان صحابی کا نام حضرت محمد بن ابی وقاص ؓ بتایا ہے۔ یہ وہ جلیل القدر صحابی رسول ﷺ جو عشرہ مبشرہ میں شامل ہیں یعنی ان صحابہ کرام ؓ میں سے ہیں جن کے جنتی ہونے کی بشارت سید المرسلین و رحمت للعالمین ﷺ کی زبان مبارک سے دنیا ہی میں سنا دی گئی تھی۔

اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ دین اسلام میں باہمی اخوت و محبت کی کس قدر اہمیت ہے وہ چیزیں جو اس مقدس رشتۂ ایمانی کی راہ میں حائل ہو سکتی ہیں، اسلام نے ان پر کیسی قدغنیں لگائی ہیں اور مسلم معاشرے سے کس طرح ان چیزوں کو ختم کرنے کی سعی مشکور کی ہے ان روشن ہدایات و تعلیمات کی روشنی میں امت اپنا جائزہ لے اور دیکھے کہ وہ اپنے دعویٰ ایمان میں کتنی مخلص ہے، ایک طرف ہادیٔ اعظم ﷺ کے پیش کردہ یہ اصول اور دوسری طرف ہمارا طرز فکر و عمل۔ پھر بھی ہمیں فخر ہے ع کچھ بھی ہیں لیکن تیرے محبوب کی امت میں ہیں اللہ تعالیٰ پوری امت مسلمہ کو اتحاد و اتفاق کی توفیق دے۔ آمین یا رب العالمین!

مہم بسلسلہ "اتحادِ امت اور پاکستان کی سالمیت"

تنظیم اسلامی کا پیغام
خلافت راشدہ کا نظام

بانیٔ تنظیم: ڈاکٹر اسرار احمدؒ
امیر تنظیم: شجاع الدین شیخ

منفعت ایک ہے اس قوم کی نقصان بھی ایک
ایک ہی سب کا نبی، دین بھی ایمان بھی ایک
حرم پاک بھی، اللہ بھی، قرآن بھی ایک
کچھ بڑی بات تھی ہوتے جو مسلمان بھی ایک

تنظیم اسلامی
www.tanzeem.org

غنچوں کے کھلنے کا موسم

ام اسامہ

گل کی بربادی کا موسم
من کی بے تابی کا موسم
روح کی وحشت کا موسم
دل کی رسوائی کا موسم

غنچوں کی پامالیوں پر
آہوں اور نوحوں کا موسم
خواہشیں مرنے کا موسم
آرزوؤں کی فصل کے
ڈھیر ہو جانے کا موسم

بے بسی و افلاس کی
تصویر بن جانے کا موسم
قطرہ قطرہ زہر پینے
اور فنا ہونے کا موسم

بے حسی کے گہرے بادل
میں نہاں ہونے کا موسم
حسرتوں کے ڈھیر کے
ناسور بن جانے کا موسم

امت مرحوم کی ناموس
لٹ جانے کا موسم
دل کا یہ موسم سدا ہے

حب دنیا اک وبا ہے
دین کو اللہ کو چھوڑا
بے وفائی ہے جفا ہے
خود پسندی ہے زعم ہے
دل کی سختی اک سزا ہے

شوخیٔ رفتار ہے نہ
نرمیٔ گفتار، یاں ہے
رغبت جاں کی فکر ہے
چاہت مال و متاع ہے

قومیت کے بت کھڑے ہیں
امت مسلم کہاں ہے
ستاون اسلامی ممالک
انتشار و تفرقہ ہے
ہر کوئی اپنی ہی شرطوں
اور مفادوں پر بکا ہے
تازہ سودے ہو رہے ہیں
خون مسلم بہہ رہا ہے
قیمتیں جوں بڑھ رہی ہیں
خون ارزاں ہو رہا ہے
جسد واحد کا تصور
اک فسانہ ہوگیا ہے
ذلتوں کی پستیوں میں
اب ٹھکانہ ہوگیا ہے
شکوۂ ظلمت نہیں ہے
گریۂ وحشت نہیں ہے
علحت عسرت نہیں ہے
رنجش و کلفت نہیں ہے
انتظار فصل گل ہے
آبدار اب بھی گہر ہے
اب بھی سینوں میں تڑپ ہے
ساقی میں ذوق طلب ہے
پھر دعائے نیم شب میں
مدعا جام کہن ہے
فکر گل، فکر چمن ہے
درد دل، سوز جگر ہے
وحدت امت کی منزل
مثل ہنسیہ سحر ہے
خواہشیں بننے کا موسم
منزلیں چھننے کا موسم
خون دل دینے کا موسم
روگ جاں لینے کا موسم
درد و غم خواری کا موسم
صبر و قربانی کا موسم
آہ میں ڈھلنے کا موسم
سوز میں جلنے کا موسم
برگ نو آگنے کا موسم

تنظیم اسلامی پاکستان کے زیر اہتمام مہم

''اتحادِ اُمت اور پاکستان کی سالمیت'' کے حوالے سے

بانیٔ تنظیم اسلامی ڈاکٹر اسرار احمدؒ کی معرکۃ الآرا تصنیف ''قرآن حکیم اور ہم'' سے اقتباسات

امنِ عالم

عالمی امن کے قیام کے لیے جہاں تک میں سمجھ سکا ہوں اسلام کے پاس دو سکیمیں ہیں: ایک دیر پا اور مستقل اور دوسری عارضی وعبوری۔

عالم انسانی میں مضبوط و محکم اور پائیدار و دیر پا امن کے قیام کی صورت تو ایک ہی ہے کہ متذکرہ بالا اسلامی معاشرہ اور مسلم ریاست خود وسعت پذیر (expand) ہوں اور رفتہ رفتہ زیادہ سے زیادہ انسانوں حتیٰ کہ پوری انسانیت کو اپنے مضبوط حصارِ امن میں لے کر ہر قسم کے فتنہ وفساد سے مامون ومصئون کر دیں اس لیے کہ واقعہ یہی ہے کہ امن وسلامتی کی اس صراطِ مستقیم کے سوا جو ایمان واسلام پر مبنی ہے انسان کے لیے سکون اور اطمینان کی کوئی اور راہ ہے ہی نہیں اور انسانی تاریخ اس پر گواہ ہے کہ انسان نے اس شاہراہ سے ہٹ کر جب بھی کوئی دوسری راہ اختیار کی خدا کی زمین فتنہ وفساد سے بھر گئی۔

''کیا تم نے دیکھا نہیں کہ کیا کیا تیرے پروردگار نے عاد کے ساتھ یعنی ستونوں والی قوم ارم کے ساتھ اور قوم ثمود کے ساتھ جو وادیوں میں چٹانوں کو تراشا کرتے تھے اور میخوں والے فرعون کے ساتھ جنہوں نے بلاد ارضی میں سرکشی کی اور ان کو فساد سے بھر دیا!'' (الفجر:6تا12)

لہٰذا اسلام کا اصل زور تو اس دعوت پر ہے کہ پوری نوعِ انسانی اپنے خالق ومالک پر ایمان لے آئے اور اُس کی مرضی کے سامنے سرِ تسلیم خم کر دے۔

(1) ﴿فَاٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَالنُّوْرِ الَّذِيْٓ اَنْزَلْنَا ط﴾ (التغابن:8)

''پس ایمان لاؤ اللہ پر اور اُس کے رسول (ﷺ) پر اور اُس نور (قرآن مجید) پر جو ہم نے نازل فرمایا ہے۔''

(2) ((اَسْلِمُوْا تَسْلَمُوْا)) (متفق علیہ)

''اسلام لے آؤ سلامتی پاؤ گے۔''

(3) ﴿اُدْخُلُوْا فِي السِّلْمِ كَاۗفَّةً ص﴾ (البقرة:208)

''اسلام (اور سلامتی) میں پورے کے پورے اور سب کے سب داخل ہو جاؤ۔''

(4) ﴿اِنَّ الدِّيْنَ عِنْدَ اللّٰهِ الْاِسْلَامُ قف﴾ (آل عمران:19)

''اللہ کے ہاں تو بس ایک ہی دین مقبول ہے اور وہ ہے اسلام۔''

اور اس عالم ارضی کے امن وسکون اور سلامتی و اطمینان کا گہوارہ بننے کی اصلی صورت یہی ہے کہ پہلے کسی ایک خطے میں صحیح اسلامی معاشرہ اور حقیقی اسلامی ریاست قائم ہو جو ایمان واسلام کی عالمگیر دعوت کی علم بردار بن کر کھڑی ہو جس کے نتیجے میں ﴿وَرَاَيْتَ النَّاسَ يَدْخُلُوْنَ فِيْ دِيْنِ اللّٰهِ اَفْوَاجًا ۝﴾ ''اور تم نے دیکھا لوگوں کو اللہ کے دین میں داخل ہوتے ہوئے فوج در فوج'' کی صورت ایک بڑے پیمانے پر دوبارہ پیدا ہو اور اس اسلامی معاشرے اور اسلامی ریاست کی حدود پھیلتی چلی جائیں، تا آنکہ پورے عالم ارضی میں ﴿قِيْلًا سَلٰمًا سَلٰمًا ۝﴾ ''ہر جانب سلامتی ہی سلامتی کا غلغلہ!'' کا سماں بندھ جائے اور پورا عالم انسانیت اپنے رحیم وودود رب کے دامنِ رحمت کے سائے تلے آ جائے۔

تاہم بحالت موجودہ یہ ایک بہت دور کی بات معلوم ہوتی ہے۔ جب تک یہ آخری صورت نہ ہو عبوری دور میں بھی اسلامی معاشرے اور مسلم ریاست کے پاس پورے عالم انسانی کے لیے دو مشترک اقدار کی بنیاد پر صلح وامن اور محبت ورأفت کا پیغام موجود ہے۔ سائنس کی حیرت انگیز ترقی اور ذرائع آمد ورفت اور نقل وحمل میں بے پناہ اضافے کی بنا پر پورا عالم انسانی ایک شہر کے مانند ہو کر رہ گیا ہے اور مختلف ممالک کی حیثیت اس کے محلوں سے زیادہ نہیں رہی، لیکن فاصلوں کی یہ ساری کمی انسان کے خارج ہی میں وقوع پذیر ہوئی ہے، دلوں کے بُعد میں قطعاً کوئی کمی واقع نہیں ہوئی اور افرادِ نوعِ بشر اور اقوام وملل عالم کے مابین دوری جوں کی توں قائم ہے۔ اور یہ عجیب مخمصہ ہے جس میں عالم انسانی اس وقت گرفتار ہے کہ حالات کا شدید تقاضا تو یہ ہے کہ انسان باہم ایک دوسرے سے قریب ہوں اور دنیا میں جلد از جلد ایک عالمگیر معاشرہ اور ایک عالمی ریاست قائم ہو جائے، لیکن انسان کی تہی دستی اور تنگ دامانی کا عالم یہ ہے کہ ایسی کوئی قدرِ مشترک اُسے نہیں مل رہی جو شرق ومغرب کے فاصلے، گورے اور کالے کے امتیاز اور نسلوں اور عقائد ونظریات کے فرق وتفاوت کی خلیجوں کو پاٹ سکے یا کم از کم ایسا پل بن جائے جس پر سے گزر کر ابنائے نوعِ بشر ایک دوسرے سے بغل گیر ہو سکیں۔

اس بدلی ہوئی صورت حال ہی کا تقاضا تھا جس کے تحت مرحوم انجمن اقوام عالم (League of Nations) وجود میں آئی تھی، اور انسان کی یہی تہی دستی تھی جس کے باعث وہ ناکام ہوئی، لیکن چونکہ تقاضا نہ صرف یہ کہ اپنی جگہ موجود تھا بلکہ پہلے سے کہیں زیادہ شدید صورت اختیار کر گیا تھا، لہٰذا پھر موجودہ تنظیم اقوام متحدہ (United Nations Organization) وجود میں آئی۔ لیکن آپ دیکھ رہے ہیں کہ انسان کی اسی تنگ دامانی کے باعث وہ بھی عملاً ناکام ہو چکی ہے اور اگرچہ اس کا ظاہری ٹھاٹھ باٹھ موجود ہے، تاہم ہر شخص جانتا ہے کہ درحقیقت وہ ''united'' یعنی متحدہ کی بجائے ''untied'' یعنی منتشر اقوام کے زبانی جمع خرچ کا ایک ادارہ ہے اور اس سے زیادہ کچھ نہیں۔

اس اعتبار سے دیکھا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ وقت کے اس اہم تقاضے کا جواب اسلام اور صرف اسلام کے پاس موجود ہے، جو دو ایسی مشترک قدروں کا علم بردار ہے جن کی لڑی میں پوری انسانیت کو پرویا جا سکتا ہے اور جن کی بنیاد پر مشرقِ بعید کے زرد رو، مغربِ بعید کے سرخ وسپید اور افریقہ کے سیاہ فام انسانوں میں بھائی چارہ

قائم ہو سکتا ہے اور باہمی اپنائیت اور یگانگت کے احساسات بیدار ہو سکتے ہیں۔ سورۃ الحجرات کی ایک ہی آیت میں یہ دونوں مشترک اقدار بھی بیان ہوئی ہیں اور انسانوں کے مابین فرق و امتیاز کی تمام غلط بنیادوں اور عزت و شرف کے باطل پیمانوں کی نفی کر کے فرق و تمیز اور عزت و شرف کی واحد بنیاد بھی واضح کر دی گئی ہے۔ ارشاد ہوتا ہے:

﴿يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اِنَّا خَلَقْنٰكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ وَّاُنْثٰى وَجَعَلْنٰكُمْ شُعُوْبًا وَّقَبَآئِلَ لِتَعَارَفُوْا ۭ اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰىكُمْ ۭ﴾ (الحجرات:13)

”اے انسانو! ہم نے تمہیں ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا اور تمہیں شعوب وقبائل میں تقسیم کر دیا تاکہ باہم ایک دوسرے کو پہچان سکو۔ (باقی رہا عزت کا سوال تو) تم میں اللہ کے نزدیک سب سے زیادہ باعزت وہی ہے جو سب سے زیادہ متقی ہے۔“

گویا دنیا بھر کے تمام انسانوں کے مابین دو وحدتیں مشترک ہیں: ایک وحدت خالق اور دوسری وحدت آدم۔ روئے زمین پر جتنے انسان بھی بس رہے ہیں وہ سب خدا کی مخلوق‘ لہٰذا باہم مساوی‘ اور آدم وحوا کی اولاد‘ لہٰذا آپس میں بھائی بھائی ہیں: ((وَكُوْنُوْا عِبَادَ اللّٰهِ اِخْوَانًا)) (صحیح مسلم)

ان کے مابین رنگ و نسل اور شکل اور زبانوں کا اختلاف صرف باہمی تعارف کے لیے ہے۔ ان میں سے کوئی چیز بھی عزت و شرف کی بنیاد نہیں۔ عزت و شرف کا معیار تو ایک ہی ہے اور وہ ہے خدا کا خوف! ---

غور فرمایئے یہ باتیں آج کے اس نام نہاد ترقی یافتہ دور میں بھی کیسی بعید اور خالص نظری و کتابی محسوس ہوتی ہیں‘ لیکن محمد رسول اللہ ﷺ کے بارے میں یہ بات آپؐ کے بدترین دشمن بھی تسلیم کرتے ہیں کہ انہوں نے واقعتاً ان ہی اساسات پر ایک معاشرہ عملاً قائم فرمایا اور ایک باقاعدہ ریاست کی بنیاد رکھ دی۔ ایچ جی ویلز جس نے آنحضور ﷺ کی سیرت پر نہایت رکیک حملے بھی کیے‘ لیکن ساتھ ہی یہ بھی تسلیم کیا کہ اگرچہ انسانی اخوت و مساوات کے مواعظ حسنہ کی تو‚ بقول اس کے‚ مسیح ناصری (علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام) کے یہاں بھی کمی نہیں‘ لیکن ان اساسات پر ایک انسانی معاشرے کا واقعی قیام صرف محمد ﷺ کا کارنامہ ہے۔

سورۃ الحجرات کی محولہ بالا آیت میں جو تین مضامین بیان ہوئے ہیں‘ وہی علمی ترتیب کے ساتھ سورۃ النساء کی پہلی آیت میں بیان ہوئے ہیں:

”اے لوگو! ڈرتے رہو اپنے رب سے جس نے پیدا کیا تمہیں ایک جان سے اور بنایا اُسی سے اس کا جوڑا۔ اور پھیلا دیئے اُنہی سے کثیر تعداد میں مرد اور عورتیں۔ اور ڈرتے رہو اللہ سے جس کا واسطہ تم ایک دوسرے کو دیتے رہتے ہو اور رحمی رشتوں سے۔ بے شک اللہ تم پر نگران و نگہبان ہے۔“

یعنی وہی تقویٰ کی تعلیم اور وحدت الٰہ و رب اور وحدت آدم وحوا کو ملحوظ رکھنے کی تاکید‘ یہ دو بنیادیں ہر دو انسانوں کے مابین مشترک ہیں‘ چاہے وہ مشرق کے ہوں یا مغرب کے‘ کالے ہوں یا گورے‘ متمدن ہوں یا غیر متمدن‘ مرد ہوں یا عورت اور چاہے کسی نسل سے تعلق رکھتے ہوں‘ کوئی نظریہ و عقیدہ رکھتے ہوں‘ کسی شکل و صورت کے مالک ہوں اور کوئی سی زبان بولتے ہوں۔

آیت کے دوسرے حصے میں ان ہی دو اساسات کے تقاضوں کو کھول کر بیان کر دیا۔ پہلی اصل کی معرفت کا تقاضا تقویٰ ہے اور دوسری اصل کا تقاضا رحمی تعلق کا لحاظ ہے جس کے اعتبار سے آدم وحوا پر جا کر پوری نوع انسانی ایک ہو جاتی ہے۔

یہ قرآن حکیم کی وہ تعلیم ہے جس میں ایک فرد کے داخلی سکون واطمینان سے لے کر پورے عالم انسانی میں پائیدار اور محکم امن کے قیام کے امکانات مضمر ہیں۔ اب ذرا ایک جانب اپنی خوش قسمتی کا تصور کیجیے کہ آپ اس عالم انسانی کا وہ واحد گروہ ہیں جس کے پاس ایسی عظیم الشان تعلیم موجود ہے اور دوسری جانب اس صورت حال کو دیکھیے اور سر دھنیے کہ عالم اسلام بھی آج فلسفوں اور نظریوں کے لیے دست سوال اُن لوگوں کے سامنے دراز کر رہا ہے جو خود ظُلُمٰتٌۢ بَعْضُهَا فَوْقَ بَعْضٍ (النور:40) کی کیفیت میں مبتلا ہیں۔ حتیٰ کہ آج ”دنیا بھر کے مزدورو متحد ہو جاؤ!“ کا نعرہ بھی عالم اسلام میں اس لیے مقبول ہو رہا ہے کہ اس میں بین الاقوامیت کی ایک جھلک تو نظر آتی ہے۔ یہی نہیں بلکہ آج اس دین کے نام لیوا‘ جس نے ہر قسم کی قوم پرستی (Nationalism) کا خاتمہ کیا اور جس کی تعلیم و تربیت کا منتہائے کمال یہ تھا کہ قریش کے اعلیٰ خاندان سے تعلق رکھنے والا اور پورے عالم اسلامی اور وقت کی عظیم ترین مملکت کا فرمانروا ایک حبشی النسل‘ سیاہ فام‘ آزاد شدہ غلام کو ”سیدنا“ کے خطاب سے یاد کیا کرتا تھا‘ اپنی مشکلات کا حل ایک نسلی قومیت میں تلاش کر رہے ہیں...... اللہ اکبر‘ خود فراموشی ہو تو ایسی! ...... اور قلب ماہیت ہو تو اتنی!

ہمیں اس کے تسلیم کرنے میں چاہے کتنی ہی ہچکچاہٹ محسوس ہو‘ واقعہ یہی ہے کہ قرآن کی تعلیمات سے سب سے زیادہ بعید خود ہم مسلمان ہیں‘ اور اس بات کی شدید ضرورت ہے کہ قرآن کے فکر کو اُجاگر کرنے اور اس کے نور ہدایت کو پھیلانے کا کام بالکل ابتداء سے شروع کیا جائے‘ اور پہلے خود مسلمانوں کو قرآنی تعلیمات سے روشناس کیا جائے اور پھر پورے عالم انسانی میں قرآن کی رہنمائی کو واضح کیا جائے۔ اور چونکہ یہ بنیادی کام صرف ایسے نوجوان طلبہ کے ذریعے ہو سکتا ہے جو جدید علوم وفنون سے بھی آراستہ ہوں اور دینی جذبے اور مذہبی ذہن وفکر سے بھی مسلح ہوں۔ میں یہ سمجھتا ہوں کہ موجودہ دور میں دین کے احیاء اور اسلام کی نشاۃ ثانیہ کے لیے جس اساسی کام کی ضرورت ہے وہ در حقیقت کچھ ایسے نوجوان طلبہ ہی کے ذریعے انجام پا سکتا ہے جو جدید وقدیم علوم اور قرآن کے علم وحکمت کی تحصیل اور تعلیم و تعلم کے لیے اپنی زندگیاں وقف کرنے کو تیار ہوں۔

(اقتباسات: صفحہ 288 تا 294)

❀❀❀

مہم بسلسلہ ”اتحادِ اُمت اور پاکستان کی سالمیت“

تنظیم اسلامی کا پیغام
خلافت راشدہ کا نظام

بانی تنظیم: ڈاکٹر اسرار احمدؒ
امیر تنظیم: شجاع الدین شیخ

پاکستان کا مطلب کیا ـــــ لا الٰہ الا اللہ
پاکستان کا مقصد کیا ـــــ محمد رسول اللہ

تنظیم اسلامی
www.tanzeem.org

مسلمانوں کا اتحاد

عارف سیالکوٹی

علامہ اقبال نے پیغامی شاعری کے دور میں قدم رکھتے ہی اپنی خداداد قابلیت سے حالات کا جائزہ لیا۔ وقت کے تقاضوں کو جانچا، ملت کے جمود و تعطل کے اسباب پر نظر ڈالی، حیات انسانی کی زوال پذیر قدروں پر انگلیاں رکھیں اور زمانے کے بدلتے ہوئے رجحانات کا عمیق نظر سے مطالعہ کیا اس میں شک نہیں اول اول آپ نے بھی دوسرے بہی خواہان وطن کی ہم نوائی میں کئی ایسی نظمیں کہیں ہیں جن سے بے پناہ جذبہ حب الوطنی آشکار ہوتا تھا۔

لیکن برادران وطن کی تنگ نظری، خود غرضی اور شاطرانہ چالوں نے بہت جلد آپ کو اپنا راستہ تبدیل کرنے پر مجبور کر دیا۔ چنانچہ یورپ کی استعمار پرستانہ پالیسی، ہندوؤں کی خود غرضانہ سیاست، مطلب پرستانہ ذہنیت اور منافقانہ رویہ کے پیش نظر آپ نے اسلامیان ہند کو حجازی نغمات کی لے سے آشنا کرنے اور ان کے مسائل کو اسلامی آداب سیاست کی روشنی میں حل کرنے کا عزم بالجزم کر لیا۔ جو آپ کی دانست میں مسلمانوں کی دنیوی اور اخروی نجات کا ضامن تھا۔ اس اہم نتیجہ پر پہنچنے کے بعد آپ ایک مومنانہ شان سے یوں نطق سرا ہوئے۔

مسلم ہیں ہم وطن ہے سارا جہاں ہمارا
چین و عرب ہمارا، ہندوستان ہمارا

اپنے اس مقصد کو تقویت دینے اور اسے حل کرنے کے لیے آپ نے مغربی ممالک کی بالعموم اور مسلم ممالک کی بالخصوص سیاحت بھی فرمائی۔ مغربی ممالک کی سیاحت نے آپ پر ان ملکوں کی مادہ پرستی اور لادینیت کو ظاہر کیا۔ آپ کو یہ دیکھ کر بڑا دکھ ہوا کہ یہ لوگ دنیوی علوم کے لیے تو بری طرح کوشاں ہیں لیکن خدا پرستی اور روحانیت سے مطلقاً بے بہرہ ہیں۔ ان کی بے راہ روی حد سے بڑھی ہوئی دنیا پرستی، عشرت طلبی اور مادی ترقی انہیں ہلاکت اور تباہی کے گڑھے کی طرف لے جا رہی ہے۔

سائنس جیسی خداداد قوت کا غلط استعمال، مہلک آلات حرب وضرب کی ایجادات اور خفیہ جنگی تیاریاں نہ صرف ان کے اپنے لیے بلکہ امن عالم کے لیے بھی خطرے کا پیش خیمہ ہیں اور مسلم ممالک کی سیاحت نے تو جلتی پر تیل کا کام کیا۔ آپ نے ڈبڈبائی ہوئی آنکھوں اور دھڑکتے ہوئے دل سے محسوس کیا کہ صداقت کا پرستار صراط مستقیم کا داعی، امن عالم کا علم بردار، اخوت و مساوات کا مبلغ اور فخر موجودات کو کائنات کی ہر شے سے عزیز تر رکھنے والا مسلمان بھی دنیا کی محبت میں بری طرح اسیر ہے۔ اس کی خدا پرستی، خود پرستی میں تبدیل ہو رہی ہے اور وہ مغرب کی بظاہر چمکتی ہوئی تہذیب کا دلدادہ ہے اور تہذیب اقبال کی نظر میں۔

نئی تہذیب تکلف کے سوا کچھ بھی نہیں
چہرہ روشن ہو تو کیا حاجت گلگونہ فروش

لہٰذا آپ نے مسلمانوں کو ان الفاظ میں تہذیب افرنگ سے بچنے کی تلقین کی۔

گرچہ ہے دل کشا بہت حسن فرنگ کی بہار
طائرک بلند بال، دانہ و دام سے گزر

وطن پرستی کے نظریے نے ہی ممالک اسلامیہ کو ناقابل تلافی نقصان پہنچایا۔ اور ان کی عظیم قوت کو چھوٹے چھوٹے ٹکڑوں میں تقسیم کر دیا۔ اس نظریے نے مسلمانوں کو اخوت سے بھی یکسر بیگانہ کر دیا اور مسلمان وطنی اور نسلی رشتے کو اسلامی رشتے پر ترجیح دینے لگے۔ علامہ کی دور بین اور حقیقت شناس نظروں نے ان پر یہ تلخ حقیقت بھی واضح کر دی تھی کہ ہندی مسلمان تو جذبہ اخوت کے تحت فی الواقعہ مسلم ممالک کے غم میں گھلا جا رہا ہے۔ ہندوستان سے افغانستان ہجرت کرنے والے مسلمانوں کا حشر بھی آپ کے سامنے تھا۔

مسلمانوں کا اتحاد، علامہ اقبالؒ کی شاعری کا مرکز و محور تھا ان ناقابل تردید حقائق نے علامہ کو ان ملکوں کی طرف سے بڑی حد تک مایوس کر دیا۔ حکیم الامت نہیں چاہتے تھے کہ مسلمان غیر اقوام پر تکیہ کریں۔ لہٰذا علامہ نے ان حالات میں یہ فیصلہ کیا کہ جو کچھ بھی کرنا ہے خدا کے بھروسے پر ہمیں خود کرنا ہے۔ ان عوامل کے علاوہ مقامی سیاست آئے دن کے فرقہ وارانہ فسادات مسلمانوں کے جانی اور مالی نقصانات، ہر شعبہ زندگی میں متحدہ قومیت کے علم برداروں کا بے جا تسلط اور مسلمانوں کی محرومی نے بھی علامہ کو یہ فیصلہ کرنے پر مجبور کر دیا کہ احیائے ملت اور بقائے اسلام کے لیے ہندوستان کے اندر ایک ایسے گوشہ عافیت کا وجود از بس ضروری ہے جہاں افراد ملت پوری آزادی، مکمل اطمینان اور دل جمعی سے اسلامی تعلیمات کے مطابق زندگی بسر کر سکیں۔ قرآن و سنت کی روشنی میں اس ملک کا دستور مرتب کر سکیں اور اپنی عملی زندگی میں اسلام کو پوری طرح نافذ کر سکیں آپ نے اپنے اس مقدس خیال کو آل انڈیا مسلم لیگ کے اجلاس الہ آباد منعقدہ 1930ء کے خطبہ صدارت میں ان الفاظ میں واضح فرمایا۔

”اسلام ہی وہ سب سے بڑا جزو ترکیبی تھا جس سے مسلمانان ہند کی تاریخ حیات متاثر ہوئی۔ اسلام ہی کی بدولت مسلمانوں کے سینے ان جذبات و عواطف سے معمور ہوئے جن پر جماعتوں کی زندگی کا دارومدار ہوتا ہے اور جن سے متفرق اور منتشر افراد بتدریج متحد ہو کر ایک متمیز و متعین قوم کی صورت اختیار کر لیتے ہیں حقیقت میں یہ کہنا مبالغہ نہیں کہ دنیا بھر میں شاید ہندوستان ہی ایک ایسا ملک ہے جس میں اسلام کی وحدت خیز قوت کا بہترین اظہار ہوا۔ علامہ برادران ملت کو تمام سیاسی، نسلی، لسانی، وطنی اور جغرافیائی تعلقات کو ختم کرنے اور ایک مرکز پر جمع ہونے کی دعوت ان الفاظ میں دیتے ہیں:۔

اپنی ملت پر قیاس اقوام مغرب سے نہ کر
خاص ہے ترکیب میں قوم رسولؐ ہاشمی
ان کی جمعیت کا ہے ملک و نسب پر انحصار
قوت مذہب سے مستحکم ہے جمعیت تری

فی الحقیقت ملت اسلامیہ کا اتحاد ہی علامہ اقبال کی شاعری کا محور و مرکز تھا وہ ہمیشہ مسلمانوں کی شان و شوکت کے لیے دعا گو رہتے۔

بازو ترا توحید کی قوت سے قوی ہے
اسلام ترا دیس ہے تو مصطفوی ہے
نظارہ دیرینہ زمانے کو دکھا دے
اے مصطفوی خاک میں ہر بت کو ملا دے

آپ کی مردم شناس نظروں نے بھانپ لیا کہ ہندی مسلمانوں میں ایک ایسی ہستی ہے جو اس عظیم الشان کاروں کی قیادت کر سکتی ہے اور اگر فضل خدا شامل حال رہا

تو اس کارواں کو بخیر و عافیت منزل مقصود تک بھی لے جا سکتی ہے۔ یہ علامہ کی بلند پایہ شخصیت تھی جس نے مسٹر محمد علی جناح جیسی عدیم المثال ہستی کو انگلستان سے واپسی پر رضا مند کر لیا۔ جناح صاحب ہندوستان آئے اور مسلمانوں کی قیادت قبول کر لی۔ آپ کی بے لوث خدمت اور بہترین قیادت کے پیش نظر عوام نے آپ کو قائداعظم کے لقب سے سرفراز کیا۔ قائداعظم اور آپ کی جماعت (مسلم لیگ) نے علامہ کے فیصلے نظریے اور نعرے کو حرف بہ حرف اپنایا۔

تحریک پاکستان میں جو نعرہ سب سے زیادہ مقبول اور موثر ہوا وہ ''پاکستان کا مطلب کیا: لا الٰہ الا اللہ'' اور مطمح نظر یہ تھا کہ قرآن وسنت کو پاکستان کے آئین کی اساس بنایا جائے۔ حصول آزادی اور پاکستان میں اسلامی نظام حیات کے نفاذ کے اعلانات نے مسلمانانِ ہند کو بڑی سے بڑی قربانی دینے پر تیار کر دیا اور قائداعظم کے ہاتھوں مفکر اعظم کا تخیل بہت جلد حقیقت میں بدل گیا۔ پاکستان کے تصور کو مجذوب کی بڑ کہنے والے اپنا سا منہ لے کر رہ گئے۔ کیوں کہ اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے 14 اگست 1947ء کو پاکستان عالم وجود میں آ گیا اور دنیا نے دیکھ لیا کہ:

دل سے جو بات نکلتی ہے اثر رکھتی ہے
پر نہیں، طاقت پرواز مگر رکھتی ہے

❁❁❁

امیر تنظیم اسلامی کی چیدہ چیدہ مصروفیات

(24 تا 30 جولائی 2025ء)

جمعرات 24 جولائی: مرکزی اسرہ کے آن لائن اجلاس کی صدارت کی۔

جمعۃ المبارک 25 جولائی: تقریر اور خطبہ جمعہ مسجد جامع القرآن، قرآن اکیڈمی ڈیفنس کراچی میں ارشاد فرمایا اور جمعہ کی نماز پڑھائی۔ رات کو لاہور آمد ہوئی۔

ہفتہ 26 جولائی: صبح کو توسیعی عاملہ کے اجلاس کی پہلی نشست اور دوپہر کو دین حق ٹرسٹ کے اجلاس کی صدارت کی۔ شام کو توسیعی عاملہ کے اجلاس کی دوسری نشست کی صدارت کی۔

اتوار 27 جولائی: صبح کو توسیعی عاملہ کے اجلاس کی آخری نشست اور بعد ازاں تربیت کمیٹی کے اجلاس کی صدارت کی۔ سہ پہر کو عبدالوارث گل (صدر اتحاد ملت اسلامیہ) کی دعوت پر ''تحفظ ناموس رسالت و مقدسات'' کے حوالے سے دینی جماعتوں کے ایک اجلاس میں شرکت اور مختصر گفتگو کی۔ شام کو کراچی روانگی ہوئی۔

پیر 28 جولائی: دن کو بلدیہ ٹاؤن، حلقہ کراچی شمالی کے نقیب آصف محمود صاحب کے جواں سال صاحبزادے و رفیق تنظیم محتشم محمود صاحب کے روڈ ایکسیڈینٹ میں انتقال پر تعزیت کے لیے نائب ناظم اعلیٰ، امیر حلقہ اور معاون امیر حلقہ کے ساتھ ان کے گھر جانا ہوا۔

بدھ 30 جولائی: کراچی سے لاہور آمد ہوئی۔

معمول کی سرگرمیاں: نائب امیر صاحب سے مستقل آن لائن رابطہ رہا اور دیگر تنظیمی امور انجام دیے۔ منتخب نصاب قرآنی کے حوالے سے بھی ذمہ داریاں انجام دیں۔ معمول کی ریکارڈنگز کا اہتمام بھی ہوا۔

تنظیم اسلامی کا پیغام
خلافت راشدہ کا نظام

مہم بسلسلہ ”اتحادِ اُمت اور پاکستان کی سالمیت“

بانی تنظیم: ڈاکٹر اسرار احمدؒ

امیر تنظیم: شجاع الدین شیخ

دنیا بھر میں مسلمانوں پر ظلم و ستم کی وجہ!
امت مسلمہ کا باہمی انتشار اور افتراق

تنظیمِ اسلامی www.tanzeem.org

تنظیم اسلامی کا پیغام
خلافت راشدہ کا نظام

مہم بسلسلہ ”اتحادِ اُمت اور پاکستان کی سالمیت“

بانی تنظیم: ڈاکٹر اسرار احمدؒ

امیر تنظیم: شجاع الدین شیخ

اللہ کے دین کو قائم کرنے کی
جدوجہد کرو اور تفرقہ میں نہ پڑو۔
(سورۃ الشوریٰ: آیت 13)

تنظیمِ اسلامی www.tanzeem.org

شعبہ خط و کتابت کورس کی تاریخ میں ایک اور سنگِ میل کا اضافہ!!

آن لائن کورس

کیا آپ جاننا چاہتے ہیں؟ از روئے قرآن ہماری دینی ذمہ داریاں کیا ہیں؟
نیکی اور تقویٰ کی اصل اور جہاد و قتال کی حقیقت کیا ہے؟
کیا آپ دین کے جامع اور مربوط تصور سے واقفیت حاصل کرنا چاہتے ہیں؟
کیا آپ قرآن حکیم کی فکری اساس اور عملی ہدایات سے روشناس ہونا چاہتے ہیں؟
کیا آپ مجالس میں اسلام پر ہونے والی تنقید کا مناسب اور مدلل جواب دینے کی اہلیت حاصل کرنا چاہتے ہیں؟

تو

صدر مؤسس مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور ڈاکٹر اسرار احمد مرحوم و مغفور کے مرتب کردہ
”مطالعہ قرآن حکیم کا منتخب نصاب“ پر مبنی
”قرآن حکیم کی فکری و عملی راہنمائی کورس“ سے استفادہ کیجیے

الحمدللہ
اب یہ کورس آن لائن (ONLINE) بھی شروع ہو چکا ہے

برائے رابطہ: انچارج شعبہ خط و کتابت کورس، قرآن اکیڈمی، K-36 ماڈل ٹاؤن لاہور
E-mail: distancelearning@tanzeem.org (92-42)35869501-3

جدید تعلیم یافتہ حضرات وخواتین کے لیے دینی علوم کے حصول کا نادر موقع

بانی و مؤسس ڈاکٹر اسرار احمدؒ

رجوع الی القرآن کورس

(دورانیہ 10 ماہ)

عرصہ 43 سال سے باقاعدگی سے جاری تعلیمی سلسلہ

تعلیمی قابلیت: کم از کم انٹرمیڈیٹ
عمر: کم از کم 22 سال

مضامینِ تدریس

پارٹ ۱ (سال اوّل) برائے مرد وخواتین

- تجوید و ناظرہ
- عربی گرامر (صرف و نحو)
- ترجمہ قرآن (مع تفسیری ولغوی توضیحات)
- دورہ ترجمہ قرآن
- قرآن حکیم کی فکری و عملی رہنمائی
- سیرت وشمائل النبی ﷺ
- مطالعہ حدیث واصطلاحات حدیث
- فکرِ اقبال
- فقہ العبادات
- معاشیات اسلام
- اضافی محاضرات

پارٹ ۲ (سال دوم) برائے مرد حضرات

- عربی زبان و ادب
- اصول تفسیر
- تفسیر القرآن
- اصول حدیث
- درس حدیث
- اصول الفقہ
- فقہ المعاملات
- عقیدہ (طحاویہ)
- اضافی محاضرات

☆ رجسٹریشن یکم رمضان سے شروع ہے۔ ☆ انٹرویو 01 ستمبر
آغاز کلاسز 02 ستمبر 2025ء (ان شاء اللہ)

ذریعہ تدریس: پیر تا جمعہ

اوقات تدریس: صبح 8:15 بجے تا 01:00

نوٹ: بیرون لاہور رہائشی صرف مرد حضرات کے لیے ہاسٹل کی محدود سہولت موجود ہے۔ لہٰذا خواہشمند حضرات پہلے سے رجسٹریشن کروالیں۔

زیر اہتمام: ڈاکٹر اسرار احمدؒ کی خدمات قرآنی کا مرکز — مرکزی انجمن خدام القرآن (رجسٹرڈ) لاہور

قرآن اکیڈمی 36-K ماڈل ٹاؤن لاہور
email:irts@tanzeem.org
مزید تفصیلات کے لیے www.tanzeem.org
03161466611 - 04235869501-3

محترم اُستاد پروفیسر حافظ احمد یارؒ کی دس سالہ محنت کا نچوڑ
علوم قرآنیہ پر انمول کتاب

”لغات واعراب قرآن“ کی روشنی میں ”ترجمہ قرآن کی لغوی اور نحوی بنیادیں“

اور

محترم ڈاکٹر اسرار احمدؒ کے مطالعہ قرآن کے منتخب نصاب کی تدریس باعتبار

اللغة، الرسم، الاعراب، الضبط، النحو، الصرف، التركيب والتحليل

درج ذیل ویب سائٹ اور موبائل ایپلی کیشن (ایپ) میں دستیاب ہے

Website: www.hafizahmedyar.com

Android Mobile App Name:
Lughat o Aerab e Quran
QR CODE:

Apple Appstore App Name:
Professor Hafiz Ahmed Yar
QR CODE:

IT Section, ITRS, Markazi Anjuman Khuddam ul Quran

مہم بسلسلہ ”اتحادِ اُمت اور پاکستان کی سالمیت“

تنظیم اسلامی کا پیغام
خلافت راشدہ کا نظام

بانی تنظیم: ڈاکٹر اسرار احمدؒ
امیر تنظیم: شجاع الدین شیخ

امت مسلمہ کے اتحاد میں ہی امت کی بقا ہے!
مسلمان ایک عمارت اور ایک جسم کی مانند ہیں!

ملکی اور علاقائی کی بجائے
امت مسلمہ کے مفاد کی فکر،
اہم ترین ضرورت!

اسرائیل، امریکہ و بھارت کا ابلیسی اتحاد
علاج —— مسلم ممالک کا اتفاق واتحاد

ابراہم اکارڈز
(Abraham Accords)
غاصب صیہونی ریاست کو قبول
کرانے کا سازشی منصوبہ!

فرقہ بندی ہے کہیں اور کہیں ذاتیں ہیں
کیا زمانے میں پنپنے کی یہی باتیں ہیں

تنظیم اسلامی
www.tanzeem.org

Muslim bother. In bridging the gap between man and man, and countries, forgiveness [which is closely related with *Taqwa* (*Piety/Fear of Allah SWT*)] plays an essential part. Magnanimity is a sign of strength.

In our view, the process of Islamic revival is neither simple nor straightforward; rather, it encompasses multiple facets. Each facet involves determined individuals and groups actively engaged in various areas such as education and instruction, reform and training, preaching and invitation, national and communal efforts, as well as revolutionary and revivalist activities. Although these areas may seem distinct and sometimes even contradictory, they are mutually reinforcing and should be regarded with respect in the broader context of the revivalist movement.

Ironically, the opponents of religion and the proponents of atheism are highly organized, working cohesively from various fronts to launch well-coordinated attacks against religious forces. Meanwhile, the adherents of the true faith remain entangled in debates over whether collective struggle for the religion of Islam is necessary or not.

Here, citing another saying of the Prophet Muhammad *(SAAW)* brings this discussion to a logical conclusion:

> "I command you with five things, and Allah has commanded me with them: unity, listening, obedience, migration, and jihad in the way of Allah."
> *(Jami` at-Tirmidhi 2863; Book 44, Hadith 5; Grade: Sahih)*

Reference: Certain excerpts from the English translation of the Urdu Book "قرآن اور امن عالم" by Dr Israr Ahmad *(RAA)*; "The Qur'an and World Peace" [*Translated by Dr. Absar Ahmad*] have also been used in this tract.

مہم بسلسلہ "اتحادِ اُمت اور پاکستان کی سالمیت"

بانی تنظیم: ڈاکٹر اسرار احمد

امیر تنظیم: شجاع الدین شیخ

علامہ اقبال اور قائد اعظم کا تصور پاکستان
دینِ اسلام کے نظامِ عدلِ اجتماعی کا قیام

قیامِ پاکستان — بذریعہ نعرۂ اسلام
بقائے پاکستان — بذریعہ نفاذِ اسلام

جب کسی قوم کے حکمران کتاب اللہ اور سنت رسول ﷺ کو معطل کر دیتے ہیں تو اللہ تعالیٰ ان کے درمیان خانہ جنگی برپا کر دیتا ہے (مستدرک حاکم)

مستقبل میں دینِ اسلام کے عالمی غلبہ کا نقطۂ آغاز "خراسان" کے علاقہ سے ہوگا جس میں "پاکستان" بھی شامل ہے
(جامع ترمذی)

پاکستان کی سالمیت، استحکام اور بقا کا راستہ
سچی توبہ، بندگی رب اور دینِ اسلام کا نفاذ

www.tanzeem.org تنظیم اسلامی

Messenger of Allah *(SAAW)* has not only shown a way to salvation in a future life, but has also brought practical answers to the problems of this worldly life. And surely, we do need concrete facts. In today's situation of crisis, the call for renewal, change, and progress is heard everywhere. The Prophet Muhammad *(SAAW)* is the only example of a personality who understood how to bring about a complete revolution in all individual and collective spheres of life and build a community based on true fraternity among Muslims. For example, his address on the occasion of the Farewell Pilgrimage epitomizes the climax of his mission, in which he is reported to have said:

> (*Note:*Partial extracts from the Sermon)
> "O People! just as you regard this month, this day, this city as sacred, so regard the life and property of every Muslim a sacred trust. Return the goods entrusted to you to their rightful owners. Hurt no one so that no one may hurt you. Remember that you will indeed meet your Lord (Allah *SWT)*, and that he will indeed reckon your deeds." "Allah *(SWT)* has forbidden you to take usury, therefore all interest obligation shall henceforth be waived. Your capital is yours to keep.You will neither inflict nor suffer any inequality. Allah *(SWT)* has judged that there shall be no interest and that all interest due to Abbas Ibn 'Aal-Muttalib be waived." "All mankind is from Adam and Eve, an Arab has no superiority over a non-Arab nor a non-Arab has any superiority over an Arab; also a White has no superiority over a Black nor a Black has any superiority over a White except by piety and good action. Learn that every Muslim is a brother to every Muslim and that the Muslims constitute one brotherhood. Nothing shall be legitimate to a Muslim which belongs to a fellow Muslim unless it was given freely and willingly." "Do not therefore do injustice to yourselves. Remember one day you will meet Allah *(SWT)* and answer your deeds. So beware, do not astray from the path of righteousness after I am gone." "O People! No Prophet or Messeage of Allah will come after me and no new faith will be born. Reason well, therefore O People! (and) understand words that I convey to you. I leave behind me two things, the Quran and the Sunnah and if you follow these you will never go astray." "All those who listen to me shall pass on my words to others and those to others again; and may the last ones understand my words better than those who listen to me directly." *(Agreed Upon)*

Both in the *Ayahs* mentioned above and the Sermon delivered by Prophet Muhammad *(SAAW)* bear clear signs of "universalism" of The *Deen* (Islam). They address all humanity and thus make explicit, fundamental facts shared by all human beings on one level, yet simultaneously provide guidance to Muslims as individuals and as a collective, for all times to come.

The role of an important pillar of Islam, *Hajj*, is extremely significant in the contextthe unity among Muslims themselves. The spirit of *Hajj* is the spirit of sacrifice of vanities, dress and personal appearance, pride relating to birth, national origin, accomplishments, work or social status. It signifies the brotherhood of all Muslims, demonstrated in the greatest of all international assemblies. The privileged cast away their arrogance and pride because they know it is a sin to be harsh or scornful to one's

18th through the 21st centuries (to date). Our globe has shrunk tremendously; we can travel from one corner of the earth to another in a matter of hours. The world has been reduced to a village, various countries being like localities of a single town. But this elimination of distance is entirely a physical and outer phenomenon. Mentally and psychologically, the various nations of the world are still far apart from each other. Even though at the political level men aspire to develop a universal brotherhood and a single world-State, yet in reality they cannot find a basis or value through which to overcome the barriers of color, creed and race. These observations, (and many more) reveal that the scope of "individuality" is shrinking due to the evolution of time, and the importance of collective life is increasing.

Therefore, the indispensability of "collectivism' in the human society is more evident today than ever before. In the matter of Deen, Islam prefers even two individuals to travel and pray in congregation (together, with one leading the prayer). Having said that, those who gather for the service of *Deen* should always consider themselves a part of the Ummah of Muslims, as stated in the *Ayah*of the Qur'an *"I am truly one of those who submit." (Surah Fussilat: Ayah 33)* thus avoiding arrogance, pride, and the sense of being "different or nobler" than ordinary Muslims.

If we look at the matter from the right perspective, we realize that Islam is the only Deen (A complete System/Code of Life) that has the capacity to meet the challenges posed by the human race in all periods of time, till the Hour. Even taken in good faith, the failure of peace-making world and regional bodies like the UN, EU, GCC etc. lies in the fact that these cannot possibly offer a ground for treating various national and ethnic groups as equal partners in the community of nations. Islam, on the other hand, gives us two such fundamental concepts which alone can bind the human race in one single totality. It tells us that all human beings living on the surface of this earth come from one primordial pair — Adam and Eve (May Allah's *SWT* peace and blessing be on them)— and as such they are like members of one family. Again, the Creator of all is Allah *(SWT)* and as such they are all equal in His sight. White people have no superiority over colored nations, nor have Western nations any ground to boast against the Eastern ones. Islam totally negates all baseless values and attitudes which treat some people as inferior to others in any respect whatsoever.

The contents of *Ayah*13 of Surah Al-Hujurat:

> "O humanity! Indeed, We created you from a male and a female, and made you into peoples and tribes so that you may [get to] know one another. Surely the most noble of you in the sight of Allah is the most righteous among you. Allah is truly All-Knowing, All-Aware."
>
> *(Surah Al-Hujurat: Ayah 13)*

have appeared in reverse order in the first *Ayah* of Surah An-Nisa thus:

> "O mankind! Be mindful of your Guardian-Lord Who created you from a single person. Created, of like nature, his mate and from them twain scattered countless men and women. Be mindful of Allah through Whom you demand (your mutual rights), and (be mindful of violating relations based on) the wombs; for Allah ever watches over you." *(Surah An-Nisa: Ayah 1)*

All our mutual rights and duties, according to Islam, are referred to Allah *(SWT)*. We are His creatures; His will is the standard and measure of good, and our duties are measured by our conformity to His Will. The

Unity among Muslim Countries and the Revival of the Deen

Written and Compiled by: Raza ul Haq

The state of the Islamic world is such that each passing day tells a story of Muslim retreat and humiliation. Just look at Gaza, Kashmir, Myanmar! The Ummah no longer exists in its true sense; there are various Muslim countries where Western political and economic systems have taken complete control, and Western civilization has entrenched itself under the guise of enlightenment. This comprehensive invasion has penetrated so deeply that a large majority of contemporary Islamic intellectuals and thinkers themselves are questioning the necessity of striving for the establishment of an Islamic system in any Muslim society. These are the intellectuals who believe in "Easily Palatable Islam." Unfortunately, they are treading a path of deviation, attempting to modify and alter the Shariah. For instance, taking interest is forbidden and unlawful, but giving it is permissible and lawful, some say! Some are ostensibly liberating women from the "restrictions of veiling." Additionally, others are ardent believers in Professor Francis Fukuyama's philosophy of the "End of History" regarding the supremacy of the Western democratic system. Let's be clear from the very onset; We have nothing to do with such "intellectuals".

However, there are extremely sincere scholars of religion who wholeheartedly accept and follow the Shariah of Prophet Muhammad *(SAAW)*. We deeply acknowledge and respect their scholarly abilities and endeavors. Yet, it is surprising that they have started considering the struggle for the establishment of Deen and the formation of organized groups unnecessary. The founder of Tanzeem e Islami, Dr. Israr Ahmad *(RAA)* posed a few questions to such a learned individual, which we reiterate for our readers. The first question was, if the vast majority of a country's population is Muslim, what system should prevail in that country: the Islamic system or another? The second question was, if unfortunately, an Islamic system is not in place and instead a non-Islamic system prevails, should the Muslim inhabitants strive to establish an Islamic system or not? Should this effort be made individually by every Muslim, or is an organized group necessary to achieve this goal? Obviously, any cogent and cognizant Muslim would say that Muslims should form an organized group to strive for the establishment of the Islamic system. This was also the answer given by that learned individual. We would like to add that if the Islamic country in question is Pakistan, then the matter becomes even more emphasized on a moral and religious level because the Muslims of Pakistan had promised Allah *(SWT)* that if He granted them a piece of land, they would implement His Deen in it, in its pristine form.

Regarding the necessity and importance of a group for achieving this objective, one should first consider the core mission of the unaltered chain of Prophethood from Nuh *(AS)* to Muhammad *(SAAW)*, which was, simply put, to enforce the Deen of Allah *(SWT)* on the Land of Allah *(SWT)*.

One should then observe the scientific and technological advancements along with the industrial and cultural revolutions from the

Vol: 34 Regd. No. C.P.L NO.114 No.29

Weekly **Nida-e-Khilafat** Lahore